

هفت روزہ

معارف

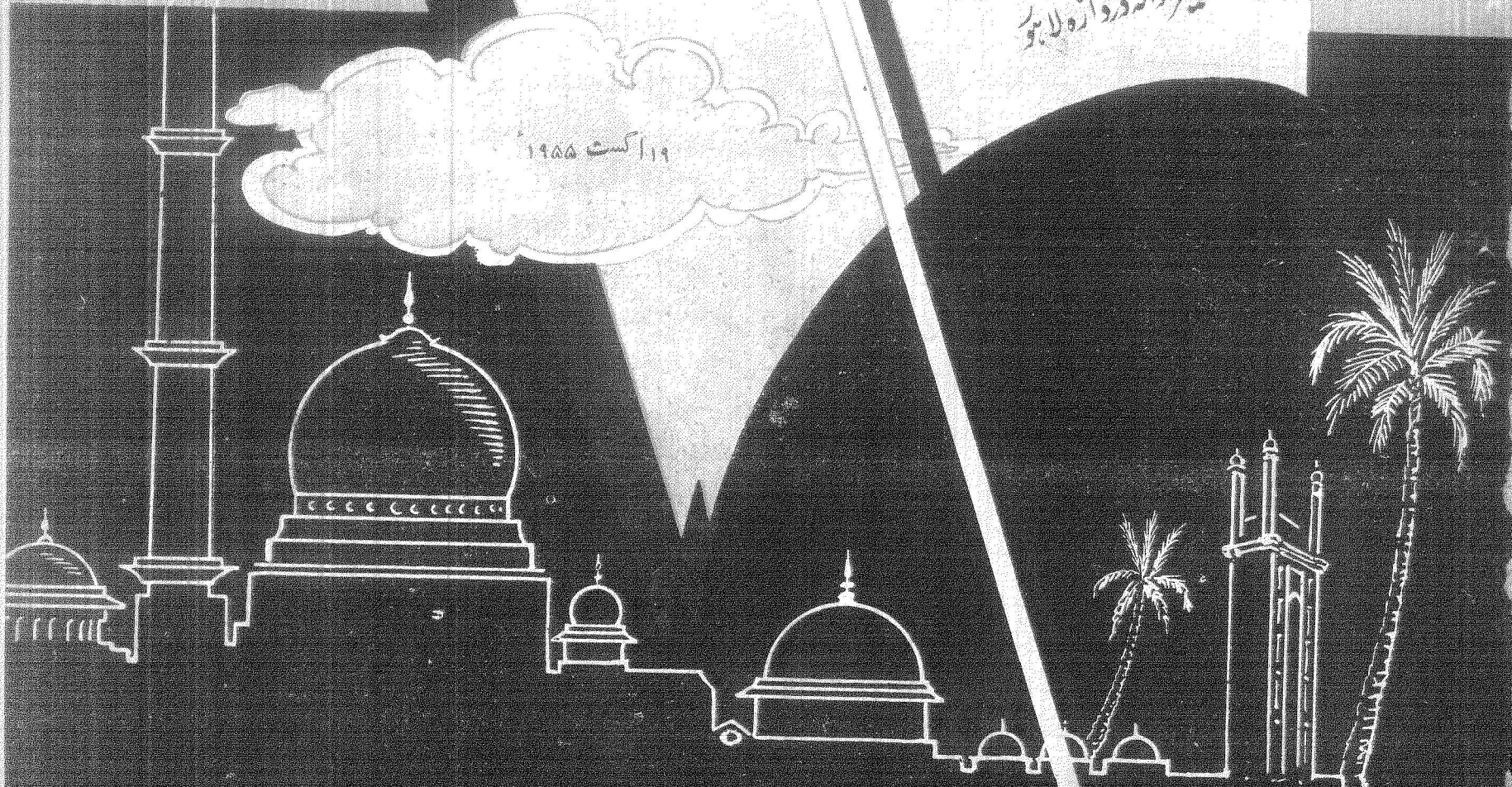
لاہور

زیر نگرانی

شیخ الفیہ حضرت مولانا محمد علی

شیراوالہ دروازہ لاہور

۱۹ اگست ۱۹۵۵



پبلشرز: مولانا محمد علی، لاہور

Printed

مسلمان ہونے کے بعد ایمان

ارحباب شیخ التفسیر مولانا اچملی صاحب خطیب جامع مسجد ستیر الہیہ لاہور

إِلَى اللَّهِ دَرَسُ سُؤْلِكَ لِيُحْكَمَ مِنْهُمْ إِنَّ الْيُؤَدَا
سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتْلُونَ
(سورة النور ركوع ۱۵)

(ترجمہ) مومنوں کی بات تو یہی ہوتی ہے۔ جب انھیں
اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے۔ تاکہ وہ
ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے
سنا اور مان لیا۔ اور وہی لوگ نجات پانے والے
ہیں۔

حاصل

یہ نکلا۔ کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے
درمیان سے جو فیصلہ بھی ہو۔ اس کو ماننے کے لیے ہر
حال میں تیار ہیں خواہ ان کے موافق ہو یا مخالف ہو۔
بارگاہ الہی میں ہی لوگ مقبول اور مرحوم ہیں اور جنت
کے وارث ہوں گے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

آج بھی موجود ہیں

مسلمان کہلا کر شریعت کے ماننے سے انکار کرنے والوں
کا جو ذکر قرآن شریف میں آیا ہے۔ آج بھی مسلمانوں
میں اس قسم کے آدمی موجود ہیں۔ مثلاً تقسیم مال میراث
میں شریعت کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر ایک شخص مر جاتا ہے
جس کی دو بیویاں تھیں۔ ایک بیوی کی اولاد چار
بیٹے ہیں اور دوسری کا ایک بیٹا ہے۔ فرض
کر لیجئے۔ دو بیویوں اور پانچ بیٹوں کے سوا
اور کوئی بھی شرعی وارث نہیں ہے۔ اب مال میراث
کی تقسیم شریعت کے قانون کے مطابق اس طرح
ہوگی۔ اے حصہ جائداد کا دو بیویوں کو ملے گا۔ اور
باقی جائداد پانچ بیٹوں پر مساوی تقسیم ہوگی۔

چونڈے دنگ

پنجاب کے زمینداروں میں تقسیم میراث میں ایک
چونڈے دنگ ہوتی ہے۔ اس کی یہ صورت ہے
کہ مذکورہ بالا شخص کی کل جائداد دو عورتوں پر تقسیم
کی جائے گی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آدھی جائداد
ایک بیٹے کو مل جائے گی اور آدھی دوسری بیوی
کے چار بیٹوں پر تقسیم کی جائے گی۔ اب دنیا دار
کیا کرتے ہیں۔ جنہیں شریعت کے دروازہ پر ملنے
سے جائداد میں زیادہ حصہ ملتا ہے۔ وہ تو فیصلہ
کو شریعت کے دروازے پہ لانے کے لیے بھڑ
رہے ہوتے ہیں۔ اور دوسرا فریق جنہیں شریعت
کے دروازے پر جانے سے حصہ کم ملتا ہے۔
اور عدالت میں جملے سے زیادہ ملتا ہے۔ وہ
عدالت سے فیصلہ کرانے پر زور دیتے ہیں۔ ایسے
لوگوں کے حق میں آج بھی شریعت کا وہی فیصلہ ہوگا
جو آج سے سارے تیرہ سو سال پہلے قرآن مجید
میں آچکا ہے کہ اگرچہ وہ مسلمان تو کہلاتے ہیں
مگر ان کے اندر ایمان نہیں ہے۔

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

بے ایمان ہونے کی وجہ

جب وہ اپنے ایماندار ہونے اور مسلمان ہونے
کا اظہار کر رہے ہیں۔ پھر انہیں کیوں بے ایمان کہا جا
رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ توہماتے (قرآن)
مَعْنًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيُحْكَمَ مِنْهُمْ إِذَا
خَرَفُوا مِنْهُمْ تَحْصِي صَوْنَهُ وَكَانَ نَكِيمٌ لَهُمْ
الْحَقُّ يَا قَوْمِ الْيَتِيمِ مِنْ جَنِينِ (سورة النور۔
ركوع ۱۵ بارہ ۱۸۔)

(ترجمہ) اور جب انھیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف
بلایا جائے۔ تاکہ ان میں فیصلہ کرے بھی ایک گروہ ان
میں سے مرہمہ موٹنے والے ہیں۔ اور اگر انہیں حق پہنچتا ہو
تو اس کی طرف گردن جھکائے آتے ہیں۔

بے ایمانی کا سبب یہ نکلا۔ کہ جب اللہ تعالیٰ اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر انہیں جھکوا
نیٹانے کے لئے بلایا جائے۔ تو فقط اس صورت میں
آتے ہیں۔ جب انہیں یقین ہو کہ فیصلہ ہمارے ہی حق
میں ہوگا۔ اور اگر انھیں یہ یقین نہ ہو تو موٹہ موٹہ کھپے
جاتے ہیں۔

اپنی خواہش کے بندے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اعلان فرمایا ہوا ہے
کہ انسانوں کی دو قسمیں ہیں ایک اللہ کے بندے ہوتے
ہیں۔ یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اس کے سامنے
سر جھکا دیا۔ اور مان لیا اور دوسرے اپنے نفس کے
بندے ہوتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع
نہیں ہوتے بلکہ اپنے نفس کے بندے ہوتے ہیں۔
جو ان کا نفس حکم دیتا ہے۔ وہی کرتے ہیں۔ اور ہر جن
لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ نفس کے بندے ہیں۔
یعنی جو ان کے نفس کی خواہش ہو۔ وہی پوری کرتے
ہیں۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ

ایماندار مسلمان

اب مسلمانوں کی دوسری قسم بھی ملاحظہ فرمائیے جن
کے اندر ایمان ہے اور ان کا مسلمان ہونے کا دعویٰ
بھی سچا ہے۔
توہماتے:

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا

بِرَأْسِهِمْ إِسْمًا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں جسے
بڑی نعمت ایمان ہے۔ جس کا یہ مطلب ہے۔ کہ اسے
اللہ میں تیرا اور میرے رسول کا حکم دل سے ماننا ہوں اور
دوسرے درجہ کی نعمت اسلام ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
کی طرف سے جو حکم ملے اس کی حسبِ توفیق تعمیل کی جائے۔
اگر یہ دونوں نعمتیں نصیب ہو جائیں۔ تو یہ انسان کی بڑی
خوش قسمتی ہے۔ اور اگر ایمان نصیب نہ ہو۔ تو یہ
شخص بہت بڑا بد نصیب۔ بد بخت اور بد قسمت ہوگا
خواہ امیر کبیر یا ثناء دشت ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ
نے قرآن مجید میں ایک ایسے گروہ کا ذکر کیا ہے جنہوں
نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا۔ مگر بعد میں بعض
علامتوں سے معلوم ہوا۔ کہ ان کے دل میں ایمان
نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جس کے دل میں ایمان نہ
ہو۔ اس کا اسلام بھی قبول نہیں ہوتا ایسے لوگوں کو
منافق کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں
منافقوں کو کافروں کی فہرست میں شامل کر کے دوزخ
میں داخل ہونے کا وعید سنایا ہوا ہے۔ جب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں بھی
ایسے بد نصیب موجود تھے۔ ان کے زمانے میں بھی
کے زمانے میں بھی ایسے بد نصیب موجود ہوں ممکن ہے
کہ ایسے بد نصیبوں کو جب اپنی نامرادی اور انجام
کی اطلاع ہو۔ تو شرمندہ ہوں۔ بے ایمانی سے باز
آجائیں۔ صدقِ دل سے ایمان لائیں۔ سچے مسلمان بن
جائیں اور جہنم کی سچائے جنت میں پہنچ جائیں

قرآن مجید میں ان کا ذکر

قوله تعالى (وَلَقَدْ كُذِّبَتْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَالرَّسُولِ
وَأَلْفَاظُ كَثْرَةٍ مِّنْهُمْ مِّنْهُمْ مِّنْهُمْ مِّنْهُمْ مِّنْهُمْ
ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ إِلَّا طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ دُونَ رُكُوعِ
بارہ ۱۸)

(ترجمہ) اور کہتے ہیں ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے
اور ہم فرما کر وار ہو گئے۔ پھر ایک گروہ ان میں سے
اس کے بعد پھر جاتا ہے۔ اور وہ لوگ مومن نہیں ہیں۔

حاصل

یہ نکلا۔ کہ وہ لوگ تو اپنے ایمان اور اسلام کا اظہار کرتے
ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ بے ایمان
ہیں۔

خدا الٰہی (ہفت روزہ)

جلد ۱ - یوم جمعہ - ۱۹ اگست ۱۹۵۵ء - شمارہ ۱۲

افسوسناک

گزشتہ ہفتہ اخبارات میں ضلع لاہور میں اغوا وغیرہ کی وارداتوں کے اعداد و شمار شائع ہوئے ہیں۔ جنہیں پڑھ کر سخت افسوس ہوا کہ مسلمانوں کے علاقہ میں اس قدر بے شرمی اور دریدہ دہشتی! سرکاری بیان میں اس قسم کے واقعات کی وجوہات بھی بیان کی گئی ہیں وہ یہ کہ متوسط طبقے کے لوگ گرائی و تنگ روزی کے باعث اپنی بیٹیوں کے نکاح نہیں کر سکتے۔ جس کے نتیجے کے طور پر بد اخلاقی کی طرف رجحان ہو جاتا ہے پھر مہاجرین کی آمد سے مخلوط قسم کی آبادی شادی کے قابل لڑکیوں کی تعداد میں کمی کم عمری میں شادی اور لڑکی کو رخصت کرنے سے انکار وغیرہ بھی اس بے حیائی کی وجوہات بتائی گئی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ چونکہ ہماری معاشرت اور مذہب کے معیار میں تضاد ہے۔ لہذا مذہب کے پیجاری اخلاق اور مذہب کے نام پر بے پردہ عورتوں پر آوازے کئے ہیں اور چوٹیاں تک کاٹنے سے گریز نہیں کرتے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ہمیں ان واقعات کو پڑھ کر سخت صدمہ ہوا۔ کہ دنیا کے سب سے بڑے اسلامی ملک میں عورت کی عزت محفوظ نہیں لیکن ہمیں سرکاری بیان کردہ وجوہات سے اتفاق نہیں۔ ہمارے نزدیک اس بد اخلاقی کی سب سے بڑی وجہ اسلام سے دوری ہے۔ مردوں کی غیرت اور مستورات کی حیا کا فقدان مذہب سے ہیزاری کا سبب ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اگر اخلاق کا کوئی محافظ ہے تو نہ وہ حکومت ہے اور نہ پولیس اور نہ فقط پردہ ہی بچیائی کا سدباب کر سکتا ہے اگر اخلاق محفوظ رہ سکتے ہیں تو مذہب کی پاسداری سے اور دل میں خوف خدا سے۔ ہمارے

ہاں پردہ زیب و زینت پوشیدہ رکھنے کے لئے کم استعمال ہوتا ہے۔ اور نیاٹش و آرائش بڑھانے کے لیے زیادہ پھر پردہ اور بے پردگی میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔ دوسرے درجہ پر ہماری رسومات بد اخلاقی میں اضافہ کرتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ شادی اور بیاہ کے مصارف بڑھ گئے ہیں۔ لہذا بد اخلاقی کی طرف رجحان عام ہے کون کہتا ہے کہ مصارف ضرور ہم پہنچاؤ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ایجاب و قبول کا نام شادی ہے۔ اگر فخر کائنات کی بیٹی ایک مشکیزے اور چکی سے رخصت ہو سکتی ہے تو ہماری بہنیں اند بیٹیاں نفوذ یافتگان سے بڑھ کر تو نہیں پچھلے دنوں سننے میں آیا تھا کہ ہماری حکومت شادی کے مصارف کو کم کرنے کے لیے ایک قانون بنا رہی ہے۔ نہ جانے وہ کوئی مصلحت کے ماتحت کھٹائی میں پڑ گیا۔ اب جبکہ پولیس بھی بد اخلاقی کی ایک وجہ شادی کے مصارف کی زیادتی بتلائی ہے تو حکومت کی غفلت خطرناک نتائج کا باعث بن جائیگی اس لیے اس قسم کے تناؤں کو فوراً پاس اور نافذ کرنا ضروری ہے۔

بے پردگی پر آوازے کنا اور چوٹیاں کاٹنا ہمارے نزدیک نہایت مذموم فعل ہے۔ لیکن ہم اپنی بہنوں سے گزارش کریں گے کہ خدا را خود کو موضوع سخن نہ بنائیں۔ یہ اخباریں تمام دنیا میں جاتی ہیں۔ آپ بتاتی ہیں کہ ایک مسلمان بیٹی کی بے عزتی نے حجاج کا خون کھولا دیا۔ اور محمد بن قاسم ایک بہن کی زیاد پر حجاز سے عثمان تک چڑھ آیا۔ آج مذہب کے دامن کو ہاتھ سے چھوڑ دینے کے باعث مسلمان بہن نے اپنی عزت اڑا کر لی۔ اپنی پاسداری خود کیجئے۔ تاکہ اس طرح تشویش نہ ہو۔

کچھ اپنے متعلق

ہفت روزہ "خدا الٰہی" لاہور کے متعلق ہمارے قارئین کو ہم کی جو رائے ہے۔ آج اس کی دوسری قسط ہم اسی اشاعت میں جاری کرتے ہیں۔ اس سلسلہ کو جاری کرنے کا سہرا مولانا فضل الرحمن قاسم ساکن بٹل ضلع ہزارہ کے سر ہے۔ ان کے خیالات آپ شمارہ ۱۲ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ہمیں اپنی کمزوریوں کا پوری طرح احساس ہے۔ ہماری کوششیں اور دعا یہی ہے کہ ہم اس پہچ کو ظاہری اور باطنی غریبوں سے آراستہ کر کے قوم کے سامنے پیش کر سکیں۔ ہمیں امید ہے کہ امت مسلمہ کے فضل و کرم سے اور احباب کی اس طرح حوصلہ افزائی سے ہم بہت جلد اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جائیں گے۔ شائیل پیسج تیار ہو چکا ہے۔ اور اسی اشاعت کے ساتھ پیش خدمت ہے۔ اعراب دکانے کا انتظام ہو چکا ہے۔ کتاب اور طباعت کو بہتر بنانے کی ہر ممکن کوشش ہو رہی ہے۔ ہم اس موقع پر قارئین کی خدمت میں ایک عرض کرنے کی جرات کریں گے۔ کہ اگر وہ اپنے اس خالص دینی پہچ کو جلد از جلد میدان معائنات کی صف آوری میں دیکھنا چاہتے ہیں، تو اس کی اشاعت بڑھانے کے لیے حتی المقدور کوشش کریں۔ ہماری درخواست یہ ہے کہ آپ میں سے ہر شخص ہمیں کم از کم پانچ روپیہ جتیا فرمائے۔ یہ خریدار ایسے ہوں جو سالانہ یا سہ ماہی چندہ ہمیں بذریعہ منی آرڈر بھجوائیں۔ اس میں ان کا مالی فائدہ بھی ہے۔ وی بی کا خرچ منی آرڈر سے زیادہ ہے۔ وی بی کے متعلق ہمارا تجربہ یہ ہے کہ وہ دفتر پر بار بار جاتا ہے۔ بعض اوقات چمکے ڈاک کی عدم توجہی کے باعث وی بی واپس آ جاتے ہیں۔ اس کے متعلق ہم پوسٹ ماسٹر جنرل پنجاب سے درخواست کر رہے ہیں۔ کہ وہ حکم کے ذریعہ و عواطف میں ترمیم کریں۔ تاکہ نوٹس دینے کے بعد وی بی واپس کرنے سے پیشتر کتاب الیہ کو ایک دفعہ پھر یاد دہانی کرا دی جاسکے کہ آپ کے نوٹس کی میعاد ختم ہو رہی ہے (باقی صفحہ ۱۳)

سرمایہ داری — اشتراکیت — اور — اسلام

(از جناب سید مشتاق حسین صاحب بخاری جی لے ایل ایل جی)

بھی مسائل زندگی سے نبرد آزما ہونے سے قاصر رہا ہے۔
اس کے بڑے بڑے نقص ہیں۔

(۱) اشتراکیت کے نام پر حقوق انفرادی پامال کئے جاتے ہیں۔

(۲) چونکہ مدعا صرف ایک نظام ہوتا ہے۔ لہذا عملی طور پر اس کے رائج کرنے میں اختلافات۔ اصول اور ایمان داری نہیں ہونے کا رکنے والی چیزوں کو رجحیت لینا نہ کہا جاتا ہے۔

(۳) شخصی آزادی مثلاً حسبِ تعلیم حاصل کرنا مرغی کے مطابق معاش اختیار کرنا۔ اپنے خیال سے روپیہ کا استعمال کرنا۔ شادی۔ بیاہ۔ بچوں کی نگہداشت وغیرہ۔ ایسی چیزیں ہیں جو قدرت کی طرف سے انسان کو عطا ہوئی ہیں۔ نظام اشتراکیت میں آزادی برقرار نہیں رہ سکتی۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ جہاں سے چاہے گمائے اور جہاں چاہے خرچ کرے۔ لیکن یہ نظام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

(۴) جب یہ نظام فطری آزادی کو تسلیم نہیں کرتا تو انسان کے لیے بھی فطرت کے خلاف چلنا نہیں نہیں ہے۔ چنانچہ وہ اگر کھلے طور پر حکومت کے خوف سے قانون کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا تو پوشیدہ طور پر جہاں تک اس سے ممکن ہو سکے گا۔ خلافِ قانون کرے گا۔ جس سے اخلاق اور بھی تباہ ہو جائیں گے۔

ان دونوں نظاموں کا

اسلامی نظریہ زندگی

دونوں ایک دوسرے کے عکس چلتے ہیں۔ لیکن دنیا میں ایک قدرت کا بنایا ہوا تیسرا نظام بھی موجود ہے جس میں ان کی خوبیوں کو لے لیا گیا ہے اور ان کی برائیوں سے احتراز کیا گیا ہے۔ وہ نظام ہے اسلامی نظام۔ دونوں نظام اپنے اپنے دائرہ میں انتہا پسند ہیں۔ لیکن تیسرا نظام معتدل نظریہ حیات رکھتا ہے اور ان دونوں کو آپس میں ملا بھی دیتا ہے اسلام میں نہ تو شخصی آزادی کو سلب کیا گیا ہے اور نہ ہی دولت کی غلط ذخیرہ اندوزی اور غلط تقسیم ہے۔ دولت کی تقسیم قرآن نے لازمی کر دی ہے اور اس کے مندرجہ ذیل اصول ہیں :-

(۱) زکوٰۃ (۲) وراثت (۳) قرآن اور احادیث و اشع کرتے ہیں کہ ایسے مقامات جو سرمایہ حاصل کرنے کا منبع ہو سکتے ہیں مثلاً کان وغیرہ کو شخص واحد

(باقی مکتبہ)

کی بنیاد صرف اس اصول پر مبنی ہے کہ ریاست کی ہر چیز اس کی اپنی ملکیت ہے۔ چونکہ یہ اصول نہایت انتہا پسند ہے۔ اس لیے اس نظام کے حامیوں نے اس کو اس طریقے سے تینایا کہ گو ریاست کی حدود میں ہرادی شے حکومت کی ہے لیکن افراد نہایت محدود طریقہ سے صرف ذات کے استعمال کے لیے کچھ ملکیت رکھ سکتے ہیں۔ مثلاً رہنے کے لیے مکان۔ سواری کے لیے گاڑی۔ صرف ذاتی آمدنی کی بچت وغیرہ۔ یہ ضروری ہے کہ آمدنی دوسرے شخص کے ذریعے نہ ہو۔ جیسے وراثت وغیرہ سے اور دوسرے ایسی ملکیت ذاتی استعمال میں ہو۔ یعنی کسی کے پاس ضرورت سے زیادہ کوئی شے نہیں رہ سکتی۔ مثال کے طور پر دو رہائشی مکان کسی ایک شخص کے پاس نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ ان میں سے ایک ذاتی استعمال سے باہر ہوگا۔ یا وہ چیز جو اپنی ضرورت کے لیے متعین ہو۔ اسے ناجائز طور پر استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ جسے کوئی شخص اپنی گاڑی کو کر لے نہیں دے سکتا۔

یہ ہے دنیا کے دو بڑے نظریوں کی تعریف سرمایہ دارانہ نظام کی رہنمائی۔ اس وقت امریکہ کے ہاتھ میں ہے اور اشتراکیت کی علمبرداری روس کا منصب ہے۔ موجودہ دنیا میں ہر ایک ملک یا کم از کم ہر غیر اسلامی ملک ان میں سے ایک نہ ایک نظریے کو اپنا چکا ہے یا اس سے مطابقت پیدا کر چکا ہے۔ بیشتر اس کے کہ غیر نظام حیات یعنی اسلامی نظریہ کی زندگی پر بحث کی جائے سفر دی معلوم ہوتا ہے کہ مذہب والا ہر دو نظاموں کو تنقید کی کسوٹی پر ڈال کر کھلے لیا جائے۔ سرمایہ دارانہ نظام ملک کے مختصر عوام کے لیے مفید ہو سکتا ہے۔ لیکن اکثریت اس کے بڑے اثرات سے اثر پذیر ہوگی۔ چونکہ اس نظام میں صرف سرمایہ داری کا تصور ہے اور تقسیم زندگی کوئی صورت نہیں۔ لہذا روپیہ عوام کی جیبوں سے جا جا کر خواص کے خزانے بھرے گا۔ وہ تقسیم نہیں کریں گے۔ لہذا وہ امیر سے امیر تر ہوتے جائیں گے۔ اور غریب زیادہ فلاح اور محتاج ہوگا۔

بظاہر اشتراکیت کی نظام بڑا دلفریب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ نظریہ

جدید دنیا کا سیاسی نقشہ دنیا کو دو حصوں میں بٹا ہوا دکھاتا ہے۔ جن کو عرف عام میں ”سرمایہ داری“ اور ”اشتراکیت“ کہا جاتا ہے۔ ان دو خطوں کا وجود ان کے نظریاتی تفاد کی وجہ سے ہے۔ اول الذکر سرمایہ دارانہ نظام کا حامی ہے۔ اور ثانی الذکر اشتراکیت کی نظریہ کا علمبردار ہے۔ مختلف نظریوں اور عقائد کی یہ خلیج ممکن ہے کسی وقت تیسری جنگ کی صورت میں عالمی تباہی کا سامان پیدا کر دے۔ یہ موضوع بے حد وسیع ہے۔ اور ایک فرصت میں اس پر لکھا بھی نہیں جاسکتا۔ بہر حال ہم صرف ”ذاتی ملکیت“ کے مسئلہ پر بحث کریں گے اور دیکھیں گے ان دونوں میں سے کونسا نظریہ درست ہے یا دونوں ہی خام ہیں اور انسان کی بہترین فلاح کسی تیسرے نظریہ میں ہے۔

سرمایہ داری کی تعریف

معینت ایک غیر سرکاری اور عام تاجر کے ہاتھ میں ہو۔ اس کے پاس دولت حاصل کرنے کے لیے دو اصول مہینے چاہئیں ایک تو ذاتی ملکیت سے جیسے اس کی زمین۔ جائداد یا کارخانہ ہو اور دوسرے ذاتی کاروبار اور محنت کا منت سے سرمایہ حاصل کرے۔ اس نظام کے پیروکار اس ستحق کو آزادانہ اور کسی بھی حد تک جائز اور درست سمجھتے ہیں ان کے نزدیک ایک غریب اپنی دولت اور جائداد کا محتار ہے۔ اس پر اس کو خرچ کچھ یا بچ نہ کرنے کی کوئی پابندی نہیں۔ وہ بلا شرکت غیرے مالک ہے اور اس پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔ اسے کوئی ضرورت نہیں کہ وہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے روپیہ صرف کرے۔ اس نظام کی رو سے اس پر کوئی قید غن نہیں۔ اگر وہ تجارت یا صنعت و حرفت کی اجازت داری کرے۔ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جس نظام میں سرمایہ دار کو جو اہل ثروت ہوں اپنے دولت بڑھانے کے لیے اس قدر وسیع مواقع مل جائیں اور مزید ان کوئی قید داری نہ ہو تو اس کا نتیجہ اور لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشرے میں انفرادی غلامی بڑھے گی۔ ملک کی اکثریت سرمایہ دارانہ فہمیت کے تحت ہوگی۔ یعنی ایک غریب پر سرمایہ دار مسلط اور سرمایہ داری پر غلام سرمایہ دار مسلط۔ اسی طریقے سے ملکی سیاست بھی ان اثرات سے محفوظ نہیں رہے گی اور نتیجہ ملک چند سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور باقی عملی طور پر ان کے غلام ہوں گے اسی نظام کو سرمایہ دارانہ نظام کہتے ہیں۔

اشتراکیت وہ نظام ہے جہاں سرمایہ داری کے برعکس شخص واحد کی ملکیت کو کوئی تقیید نہیں۔ اشتراکیت کی تعریف

لوارِ حمد

(الجناب صوفی علی احمد صاحب شمشاد لاہور)

نہیں کس قسم میں چرخِ تہنہاری نہ تواری کا
دلِ عالم تصور میں تیرے مدہوش رہتا ہے
جہاں کا ذرہ ذرہ تیرے بحرِ فیض کا سوج
گل و برک کیاء لالہ شلخ و غنچہ خار و خس
تخیل پر تصرف تیری شانِ قدرتِ کامل
طلب میں تیری سرگرم تعب ہر ذرہ عالم
ازل سے شانِ تیری جلوہ فرما رہا کہ وہیں
دل و معنی تو او خلقِ حرف لبِ سیاں نغمہ
بہارِ باغِ عالم رنگِ تیرے حسنِ یکیت کا

نہیں کس زم زم میں شہِ ہر تہنہاری ترک تازی کا
سیرِ جاہل فقط سرشارِ تیری عشقِ بازی کا
سمندرِ قطرہ قطرہ ہے تیری ذرہ نوازی کا
نہیں کس کی زیاں پر نغمہ تیری جاں نوازی کا
لبِ فانی بھی کرشمہ ہے تیری حکمتِ طرازی کا
تعب ہے وہ خودِ مظهر ہے تیری عشقِ سازگی کا
نیاز و ناز آئینہ ہے تیری کارِ سازگی کا
نہاں میں بھی عیاں جلوہ تیری نکتہ نوازی کا
خراں شہرِ خموشاں کی سبق ہے سرفرازی کا

سروشِ خستہ تن ہے مبتلاءِ یاس و درد و غم
سہارا ہے فقط باقی تہنہاری چارہ سازی کا

جھلک

مرتبہ چوہدری عبدالرحمن خاں صاحب

آج مورخہ ۲۱ روزی الحجہ ۱۳۷۴ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۵۵ء ذکر کے بعد
مخدومنا و مرشدنا حضرت مولانا احمد علی صاحب مدظلہ العالی نے
مندرجہ ذیل تقریر فرمائی:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کبر اور اس کا علاج

محمدؐ و نصلی علی رسولہ الکوہ
اما بعد :- میں عرض کیا کرتا ہوں - کہ امراض کی دو
قسمیں ہیں - (۱) جسمانی امراض (۲) روحانی امراض -
اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ انسان کے امراض میں مبتلا
ہونے سے پہلے ان کا علاج بہم پہنچائے جسمانی امراض کے
معالجہ اطباء اور ڈاکٹر ہیں روحانی امراض کے معالجہ حضرت نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ کے بعد اس فن کے ماہر اولیاء کرام
ہوتے ہیں - ان امراض کا پتہ قرآن سے ملتا ہے قرآن
محفوظ ہے - کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت
کا ذمہ لے رکھا ہے - فرماتے ہیں - اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا
الَّذِیْ کَرِّمْنَا لَکَ الْخَفِیْطُوْنَ (ہم نے ہی اس ذکر
قرآن) کو نازل کیا ہے - اور ہم ہی اس کی حفاظت
کرنے والے ہیں)

اس کی حفاظت میں کاتب حفاظت مکاتیب علماء کرام
سب کا حصہ ہے - کاتبوں کے ذریعے عربی رسم الخط
محفوظ ہے - حفاظت مکاتیب ان نقوش کا صحیح تلفظ سکھانے
ہیں - ان کے ذریعے تلفظ محفوظ ہے - اور علمائے کرام
اس کے معنی اور مطالب سمجھاتے ہیں - ضوفیائے کرام بھی
اس کی حفاظت میں حصہ دار ہے - وہ اس کے عمل کا
رنگ چڑھاتے ہیں - اللہ تعالیٰ ان سب کی قیادت پر
کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے - جنہوں نے قرآن کی
حفاظت میں حصہ لیا -

آج میں کبر کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں -
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبر کی تعریف میں
فرمایا - (بَطَّرَ الْحَقِّیُّ وَ غَطَّ النَّاسُ) (حق کا
انکار کرنا اور لوگوں کو ذیل سمجھنا) کیا اس حدیث
کے پڑھنے کے بعد اہل علم حضرات کے اندر سے کبر نکل

جاتا ہے - ہرگز نہیں - کبر کے معنی سمجھ میں آجائیں گے
نہیں کبر نکلتا نہیں - جب تک اللہ والوں کی صحبت
میں رہ کر تذکیہ نفس نہ ہو - تذکیہ نفس کا دوسرا
نام تصوف ہے - علمائے کرام قال کے محافظ ہوتے
ہیں - اور صوفیاء کرام قال کا حال بنا دیتے ہیں - حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے - کہ جس شخص کے دل میں
ذرا بھر بھی کبر ہوگا - وہ جہنم میں نہیں جائیگا - گویا کبر
ایک ہلکے روحانی بیماری ہے - جو جہنم میں پہنچائے گی -
میرے دوست ہیں - ایک علم کا اور دوسرا عمل
کا دوسرے یعنی عمل والے سلسلے کے حامل صوفیائے
کرام ہوتے ہیں - روحانی بیماریوں سے شفا ان کی
صحبت میں ہوتی ہے - وہ خود شفا یافتہ ہوتے ہیں
میرے دادا پیر حضرت حافظ محمد صدیقؒ خود حافظ
قرآن تھے - اور خود بھی نماز پڑھایا کرتے تھے - ایک
دفعہ ایک عالم کو آپ نے نماز پڑھانے کے لئے اپنے
مصلی پر کھڑا کر دیا - حضرت کا ایک فدائی خادم
نہ رہ سکا - وہ مصلیٰ کے کرجھا گیا - کہ میرے حق
کے مصلی پر غیر آدمی کیوں کھڑا ہو - مگر حضرت نے
اچھا لگا ہی پھاڑ کر مصلیٰ کی جگہ بچھا دی - اور فرمایا
کہ اس پر کڑے ہو کر نماز پڑھا لے - اس کو کہتے ہیں
ہستی فنا ہونا -

میں پہلے عرض کر چکا ہوں - کہ کبر ہلکے روحانی
بیماری ہے - اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو دنیا ہی میں
اس سے شفا عطا فرمائے ہونے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ
جہنم سے بچ جائیں - اگر شفا نہ ہوئی - تو امراض روحانی
کے لئے اللہ تعالیٰ کا ہسپتال جہنم ہے - وہاں جانا
پڑے گا - ہر مرض کا وہاں علیحدہ وارڈ ہے ہسپتال

میں بیمار کو ہی بھیجا جاتا ہے - تندرست کو بھیجنے کی
کیا ضرورت ہے - اسی طرح جہنم میں بھی صرف روحانی
مریض کو ہی بھیجا جائے گا -

علم پڑھنے سے کبر نہیں نکلتا - حضرت شیخ احمد
سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
ہر کافر فرنگ ملحد اور زندقہ کو اپنے سے بدرجہا بہتر
سمجھا جائے - یہ ان کا حال ہے - ہم ان کو مجدد
وقت کہتے ہیں - اور ہمارے نزدیک ان کی نظیر نہیں
لیکن وہ اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بدتر قرار
دیتے ہیں - یہ اس لئے ہے - کہ ان کے اندر سے
کبر نکلا ہوا ہے - ان کے مندرجہ بالا ارشاد کو سمجھنے
کے لئے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں - ایک ظاہر ہوتا ہے
اور دوسرا مظهر - بجلی کی کرنٹ ظاہر ہے - اور بلیب
اسکا مظهر ہے انسان کا وجود اللہ تعالیٰ کی صفات
سبع کا مظهر ہے - وہ صفات سبع یہ ہیں - (۱) بصیر
(۲) کلیم (۳) سمیع (۴) حی (۵) قدیر (۶) مرید
(۷) عظیم - لا علیم الا اللہ - لا کلیم الا اللہ - لا بصیر
الا اللہ - لا سمیع الا اللہ - لا حی الا اللہ - لا
مرید الا اللہ - لا قدیر الا اللہ - لا مظهر الا اللہ
کی صفات میں سے ہے - اس کا پر تو زبان پر پڑتا
ہے - تو وہ گویا ہو جاتی ہے - کان مظهر ہیں - اس
کی صفت سمیع کے گویا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہی
فضل ہے - وہی دل میں ڈالتا ہے - وہی پہنچاتا
ہے - اور وہی سننے اور سمجھنے کی توفیق دیتا ہے
اگر یہ سات صفتیں انسان سے الگ کر لی جائیں
تو پھر یہ زندہ نہیں - بلکہ مردہ ہوگا - دنیا نہیں
باکہ اندھا غرض یہ کہ یہ تمام برائیوں کا مظهر ہوگا
کیونکہ اندھا بہرہ گو نگاہ جاہل ہونا خوبی نہیں -
یہ سب کمزوریاں ہیں - اللہ والوں کی نظر غیروں
کے ظاہر پر اور اپنے مظهر پر پڑتی ہے - اس
لئے مجدد صاحب فرماتے ہیں - کہ ہر کافر فرنگ
ملحد اور زندقہ مجھ سے تو بہتر ہے ان کے سامنے
فرعون بھی آجائے تو وہ اس کے ظاہر کو دیکھیں گے
جس کا اللہ تعالیٰ کی صفات سبع سے تعلق ہے
فرعون کا ظاہر نہیں بلکہ مظهر ہوتا ہے - انارکھر
الا علی ما علمت غیری

اس لئے وہ مظهر کی ان باتوں کو نظر انداز
کر دیتے ہیں - فرعون کے بھی اللہ تعالیٰ کی صفات
کا عکس موسیٰ دھار بارش کی طرح آ رہا ہے
میری خواہش ہے - کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ
کو امراض روحانی سے پاک فرمائے - اس کے
لئے فردری ہے - کہ اپنے مظهر کو اور دوسروں
کے ظاہر کو دیکھا جائے - اس طرح کرنے سے
اپنے گناہ ہر وقت سامنے رہیں گے - انبیاء
علیہ السلام کا یہی دستور رہا ہے - باوجودیکہ وہ

(باقی صفحہ ۷ پر)

تمام اموال و خزانوں کو یہودی رعایا " اور فادہ بنوں
 میں خرچ کرو۔ اور پاؤ رکھو کہ گشتکاروں، کارگردوں
 سوداگروں اور پیشہ وروں کی خوش حالی و فائزہ اہالی ہے
 ملک آباد و سرسبز ہو سکے۔ رعایا کے ساتھ ہمیشہ رعایت
 کرو۔ تاکہ وہ تنہا ہی طرقت محبت کے ساتھ راضی ہوں،
 کہیں لوٹ کھسوٹ کی تعلیم ہے و ملک اور رعایا کے
 ساتھ رفق و ملاطفت کی کہیسی دل نشیں تاکید ہے محمد بن
 قاسم جب نیروں میں مقیم تھا۔ تو مجلس کے گرامی نامہ وصول ہوا۔
 اہل نیروں کے ساتھ نہایت نرمی اور دل دہی کا
 سلوک کرو، ان کی یہودی کے لئے کوشش کرو لوٹنے
 والوں میں جو تم سے امان طلب کرے اس کو مزد و امان
 دو، کسی مقام کے اکابر و سردار تنہا ہی ملاقات کو
 آئیں ان کو قیمتی خلعت اور انعام و اکرام سے سرفراز
 کرو۔ عقل و دانائی کو اپنا راہبر بناؤ، جو وعدہ کسی
 سے کرو ضرور پورا کرو۔ تمہارے قول و فعل پر بندہ
 والوں کو پورا پورا اعتماد و اطمینان ہو۔

کیا ان ہدایات میں وہ ساری باتیں درج نہیں
 ہیں جو ایک ذمہ دار کا فرض ہوتا ہے۔ ایک طرح سے
 کیا جائے۔ کہ جو ہدایتیں ہیں وہ ملک و قوم کی فلاح و
 بہبودی سے متعلق ہیں، یا ان میں ملک اور قوم کا
 جانی مالی اور سیاسی نقصان ہے اخلاق و اعمال
 کی پاکیزگی کی طرف اشارہ ہے یا ظلم و جور اور بربریت
 کی طرف ہے

سیدستان کی فتح کی خوشخبری معلوم کر کے محمد بن قاسم کے نام اور پے ہدایت پہنچی کہ "جو کوئی تم سے جاگیر و ریاست طلب کرے تم اس کو ناسید نہ کرو۔" التواؤں کو قبول کرو۔

امان و عفو سے رعایا کو مطمئن کرو۔ سلطنت کے چار دارکان ہیں اول مدارا و درگزر اور محبت دوم سخاوت و انعام۔ سوم دشمنوں کی مزاحمتی اور ان کی مخالفت میں عقل کو ہاتھ سے نہ دینا، چہام قوت و شہادت، تم راہبازوں سے جو عند کرو، اس پر قائم رہو، جب وہ مال گزاری دینے کا اقرار کر لیں تو وہ ہر طرح ان کی امداد و اعانت کرو جب کسی کو سفیر بنا کر بھیجو۔ تو اس کی عقل و امانت کو جانچ لو۔

کہیں وفاداری کے مطالبہ کی خواہ مخواہ شرط ہے، کہ رعبا سے اپنی مدح اور ستائش کے گیت نہ گانے کا مطالبہ کرو، ان کو اتنا تنگ کر دو۔ کہ گھر چھوڑ کر در بدر کی خاک چھپانے، ارکانِ اربعہ اس قابل ہیں کہ حکمران ان پر عمل کرنا سیکھیں۔

محمد بن قاسم دریا پار ہو کر حیب و اہر کی فوج سے
بروز کرنا ہوا۔ تو حجاج بن یوسف کا ہر ایت نامہ ملا
پہنچ وقتہ نماز پڑھنے میں سستی نہ ہو تب کبیر قرأت
قیام و قعود اور رکوع و سجود میں خدا کے تعالیٰ کے
رو برو تضرع و زاری کرو، زبان بہر وقت و کراہی

”ایک ہی حقایق“

— : (از مولانا محمد خفیر الدین دارالعلوم معینہ سائیں ضلع مرگیا) —

برہمن آباد جب فتح ہوا تو یہاں کے بعض باشندے ڈر سے بھاگے
لیگے، اس موقع پر محمد بن قاسم نے اعلان کر دیا اور اس کا یہ سہولہ کہ
”جو شخص اپنی جان بچانے کے لئے بھاگا ہے اسے
بھاگ جانے دو۔۔۔۔۔۔“ باشندگان شہر سے کوئی قرض
نہیں کیا گیا اور اگر، دکان دار، اور اہل حرفہ بدستور اپنے
مشاغل میں مصروف رہے اس زمانہ کا اعلان کر دیا گیا۔۔۔۔۔
جنگی قیدی جب محمد بن قاسم کے سامنے پیش ہوئے تو اس
نے ان کو رہا کر دیا۔۔۔۔۔۔ جو اپنے باپ و دادا کے مذہب
پر چلے اس سے کوئی قرض نہیں کیا جائے گا نہ ان کے
مندردوں اور عداوت خانوں میں کسی قسم کی مداخلت کی
جائے گی، نہ زمینیں چھینی جائیں گی نہ جان و اموال کو کسی
مستم کا نقصان پہنچایا جائے گا۔

اس سے بڑھ کر رواداری اور حسن سلوک کوئی اور ممکن ہے! پھر ان فاتحوں کو بکت کیوں نصیب نہ ہو گی ضرور نصیب ہو گی اور یہ بھی ہوئی۔

الود فتح ہو چکا تو محمد بن قاسم نے تعجب سے دیکھا کہ بہت سے لوگ اس کے بڑے پیت خانہ "نودہار" میں بُت کے آگے سجدے میں پڑے ہیں، یہ اس کو پوچھنے پر معلوم ہوا۔ کہ یہ مندر ہے اس کے اندر محمد بن قاسم داخل ہوا۔ اور واپس آیا، ایک چیز بھی نہیں بگاڑی بلکہ نکلنے کے بعد عام اعلان کر دیا۔

"اس شہر کے باشندے قہرَم کے ٹمکیں اور محصول سے معاف کئے جاتے ہیں مگر محمد بن قاسم نے فتح کیا اور کس طرح کیا مؤرخ کا بیان ہے۔"

مسلمانوں نے ہندو شمشیرستان پر قبضہ کیا اور اہل شرک کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے بغیر امن و امان اور معافی کا اعلان کیا محمد بن قاسم نے ہر جنگی شہروں کے لوٹنے اور رعایا کے اموال پر قبضہ کرنے سے اپنے سپاہیوں کو روکا مسندوں کی موتیوں کو جو جواہرات سے مزیں اور سونے چاندی کی بنی ہوئی تھیں کسی نے غارت نہیں لگایا۔ ان واقعات کو غور و فکر کی نگاہوں سے ملاحظہ کیا جائے۔ اور تبھی کیا جائے اسلامی حکومت کے اصول کتنے عمدہ ہیں۔

محمد بن قاسم کو سندھ کے لئے سپہ سالار و بہادر حجاج بن یوسف نے بھیجا تھا، تاریخ اسلامی میں حجاج اپنے ظلم و جور میں بڑی طرح بدنام ہے مگر فتح سندھ کے سلسلہ میں حجاج نے محمد بن قاسم کو جو ہدایتیں دی ہیں وہ پڑھنے کے لائق ہیں، فتح دیں کی خوش خبری سن کر حجاج نے لکھا تھا۔ جب ملک پر قلم قابض ہو جائے تو قلعوں کی استواری اور لشکر کی دفع احتیاج کے بعد۔

محدث ناکسم فاتح مذہب کسی تبارف کے محتاج نہیں سب
 سے پہلے باضابطہ ہی بزرگ راجہ دہر کے زمانہ میں ہندوستان
 تشریف لائے۔ جن کا مقصد مظلوم مسلمانوں کی اعانت اور
 گلہ خلاصی تھا۔

سیدوستان میں اور پھر کاجھتیجا بجے رائے حکمران تھامدبن
قاسم جب اس طرف بڑھے اور بجے رائے نے مقابلہ کا ارادہ
کیا۔ تو ہاشدگان شہر اور شہر کے علاقے بدھ نے جملہ کر کے
سے کیا کہ جنگ مناسب نہیں ہے اور بجے رائے کی خدمت
میں اہل شہر کی طرف سے درخواست پیش کی۔

مسلمانوں کا مقابلہ نہ کیجئے اور صلح اور آشتی سے کام لیجئے
مسلمان در خواست صلح کو رو نہیں کرتے اور کسی کے مذہب
میں دخل نہیں دیتے لہذا کشت و خون کا ہنگامہ برپا کرنا فضول ہے
یورپی مروجین نے مسلمانوں کو کسی تہذیب نام کیا ہے اور مسلمانوں
کو ظالم ثابت کرنے کی کیسی ناپاک کوشش کی ہے۔ مگر غور کیجئے
کہ پہلے صدی ہجری سے اور مسلمانوں کے متعلق عرب سے اتنی
دور ہندوستان والے کتنا صلح خیال رکھتے تھے اگر واقعی اسلام
ظالم ہی سے کہ آتا تو کیا ان مندرجہ میں کہ معلوم نہ ہوتا۔

اسی موقع لاکھ واقعات کے بجے داتے نے اپنا ایک خاص جاسوس مسلمانوں کے لشکر میں بھیجا اتفاق سے اس نے مسلمانوں کو نماز باجماعت پڑھتے ہوئے دیکھا، اور جاکر کہا یہ لوگ اس قدر متقا اور متضقی ہیں کہ ان کا مغلوب کرنا سخت دشوار ہے بجے داتے مغرب ہو کر رات ہی کو سیرستان سے فرار ہو گیا۔

اللہ اشدیم تھا مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کا اثر اب
تو خود مسلمان ہی متکسے گئے ہیں کہ آخر نماز سے کیا فائدہ !
دیکھ رہے ہیں اسلام کی نماز ان کو کتنا فائدہ پہنچاتی تھی کیا
اس کے باوجود نہ تو یہ جماعت کے فائدے کا انکار کیا جائیگا
جس دن راجہ داہر مسلمانوں کے ہاتھ مارا گیا اور مسلمانوں
نے کامیابی حاصل کی اس دن بہت سے لوگوں نے درخواست
پیش کی کہ ہم جو شی مسلمان بننا چاہتے ہیں چنانچہ ان کی خواہش
کے مطابق ان کو اسلام میں داخل کر لیا گیا مگر دوسرے ہی
دن محمد بن قاسم نے اعلان کر دیا

رہ جو شخص چاہے اسلام قبول کرے اور جو چاہے اپنے
 آباء مذہب پر قائم رہے ہماری طرف سے کوئی تفریق نہ ہوگا۔
 یہ سنی مسلمانوں کی رواداری اور ان کا قرآنی آیت
 لا اکفر بالکفر فی الدین کے معاملہ میں کوئی
 زیروتی نہیں، پر عمل وہ لوگ آنکھیں کھول کر دیکھیں جو غصب
 سے چھینے رہتے ہیں کہ اسلام تواتر کے زور سے پھیلا اور
 ان پاکستانی پر جو شرم مسلمانوں کو بھی غور سے پڑھنا چاہیے۔
 جن کو غریب اقلیت کے زیروستی تبدیل مذہب یا ٹولیا جوتا ہو۔

جاری رکھو کسی شخص کو شوکت و قوت خدا تعالیٰ کی
ہر بانی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اگر تم خدا تعالیٰ کے
فضل و کرم پر بھروسہ رکھو گے، تو یقیناً مظلوم
منصور ہو گے۔

ممالک اسلامیہ کے پادشاہ گورنر جنرل، اور
وزیر اعظم عبرت و بصیرت کی آنکھوں سے اس خط
کو پڑھیں اور دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں اب ان میں
یہ عقیدہ اور ایمان کی یہ خشکی باقی رہی یا ظلم و جحج
کے دل میں دین کی جو وقعت تھی کہ اسکا عشر عشیر
بھی ممالک اسلامیہ کے حکمرانوں میں باقی ہے؟
کاش مسلمان اس راز کو سمجھ لیتے، اور ان میں اس
کا صحیح یقین پیدا ہو جاتا۔ پھر دنیا ان کی تھی، اور
عزت اور شوکت و عظمت ان کے قدموں سے
دلچلی نظر آتی۔

راجہ و اہر جہج جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھوں
مارا گیا اور اس کی اطلاع حجاج کو پہنچی تو اس نے
محمد بن قاسم کے نام پر خط روانہ کیا۔

"تمہارا انتظام و انتظام اور ہر ایک کام
شرع کے مطابق ہو۔۔۔ جو لوگ بزرگ اور ذی
وقت ہوں ان کو ضرور امان دو، لیکن شرہ
اور بد معاشرت کو دیکھ بھال کر آؤ اور کیا کرنا چاہیے
خدا و پیمان کا ہمیشہ لحاظ رکھو اور امن پسند رعایا
کی استقامت کرو۔"

ایک دوسرے خط میں محمد بن قاسم کی خدمت کو
سراستے ہوئے لکھا:

"اے ابن عم محمد بن قاسم! تم نے رعیت نزاری
اور رفاہ غلام میں جو کوشش کی ہے وہ نہایت
تقریب کے قابل ہے۔"

رعیت نزاری پولیس پر عمل افروزی ہوئی ہے؟
اب تو بڑا پیش شکست وہ ہے جو تنصیب سے کام
لے اور جو کام کرے وہ فزائد دارانہ غنیمت سے پہلے
دیکھ لے۔

برہن آباد کی فتح کے بعد پوجاریوں کا ایک مفرد
وند محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ شکوہ
پیش کیا۔ کہ مسلمان سپاہیوں کے خودت سے ہندو
مندروں میں پوجا کے لئے بہت کم آنے لگے ہیں،
ہماری آمدنی کم پڑ گئی ہے، ایام محاصرہ میں بعض
مندروں کو نقصان پہنچا ہے اس کی مرمت اب تک
نہ ہو سکی ہے، لہذا آپ ان مندروں کی اپنے ہتمام
میں مرمت کرائیں۔ اور ہندوؤں کو مجبور کریں کہ وہ
بے خوف و خطر مندروں میں آکر پوجا کریں، محمد بن
قاسم نے جواب دیا۔ کہ تمہارے مندر کا تعلق شہر اور
سے ہے۔ اور وہ میرے قبضے میں نہیں، میں کیسے
داخل دوں، پوجاریوں نے کہا کہ اب ان مندروں
کا محاصرہ ہم لوگوں کے ہاتھوں میں ہے لہذا اب سب

کچھ آپ ہی کو کرنا چاہئے۔ محمد بن قاسم نے فوراً یہ تفصیل
لکھ کر حجاج کو خبر دی۔ حجاج نے محمد بن قاسم کو لکھا کہ:-
"تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ برہن آباد کے ہندو
اپنے مندروں کی عمارت و مرمت کرنا چاہتے ہیں،
چونکہ انہوں نے اطاعت قبول کر لی ہے لہذا ان
کو اپنے معبودوں کی عبادت میں آزاد چھوڑ دینا چاہیے
اور کسی قسم کا جبر کسی پر نہ سب نہیں ہے۔"

جس وقت یہ خط پہنچا، محمد بن قاسم برہن آباد
سے کام کے لئے نکل چکا تھا۔ اور ایک منزل کی دوری
پر تھا۔ مگر جو بھی یہ گرامی نامہ ملا۔ فوراً برہن آباد واپس
آیا، اور کام یہ کیا کہ:-

"وہاں کے تمام اکابر و امرا کو بلایا اور ہرمیوں
یعنی پجاریوں کے حقوق و مراہم کی تحقیق کی اور راجہ
واہر کے زمانہ میں مندرت کی طرف سے کیا کیا
رعایتیں ہرمیوں کو حاصل تھیں سب کو معلوم کیا
اس کے بعد اس نے شہر میں اعلان کر دیا کہ جو لوگ
اپنے باپ دادا کے مراہم کے پابند ہیں۔ ان کو
ہر قسم کی آزادی ان مراہم کے بجائے میں حاصل
ہے۔ کوئی شخص معترض نہ ہو سکے گا۔ ہرمیوں کو
وان۔ پن۔ وکٹ۔ اہمینیٹ۔ جس طرح پہنچتے
تھے۔ اب بھی دیں۔ اپنے مندروں میں آزادانہ،
پوجا پاٹ کریں۔ محفل ملی یعنی سرکاری مانگڑ اندی
میں سے تین روپیہ فی صدی۔ ہرمیوں کے لئے
الگ خزانہ میں جمع کیا جائے گا۔ اس روپیہ کو برہن
جس وقت چاہیں اپنے مندروں کی مرمت اور
ضروری سامان کے لئے خزانہ سے براہ کرا سکتے ہیں۔"

کیا اس کے بعد بھی یہی کہا جائے گا کہ مسلمانوں میں
رواداری نہیں ہے؟ یہ نیپٹ ہے ہیں ان لوگوں نے دوسرے
مذہب والوں کے ساتھ حسن سلوک نہیں کیا، ملک
کی تین فی صدی آمدنی مندر کو کوئی ہندو حکومت بھی دے
سکتی ہے؟ حکومت پاکستان کے حکمرانوں کو بھی اس دائرہ
کو پڑھنا چاہئے اور بھارت کے ان لوگوں کو بھی جو خواہ
مخواد کے تقصیب میں مبتلا ہیں۔

پھر آپ کو حیرت ہوگی، محمد بن قاسم کے ان تمام
کارناموں کو حجاج نے سراہا اور لکھا:-
"میں تمہارے ملکی انتظام سے بہت خوش ہوا
ہوں تم ایسے کام کرو۔ کہ تمہارا نام روشن ہو۔"
تم بطور رعیت نزاری اور عدل گتری کے طریقوں
پر آزادانہ عمل نہ کر۔

ایک خط میں حجاج نے لکھ لیا:-
"جو مطلق ہوں ان کو ان دو صفت و باجبر کوئی محفل
یا ٹیکس عائد نہ کرو، جو شخص ذراعت میں زیادہ ترچہ
اور باقتنی سے کام لیتا ہے اس کی مدد کرو اور
اس کو تقادی دو، جو لوگ سلام سے مشرت ہوں ان
سے زمین کی پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ وصول کرو۔"

اور جو لوگ اپنے نہ ہر ہر قائم ہیں، ان سے بھی
لگژاری وصول کرو۔ جو وہ اپنے راجوں کو دیا کرتے
تھے۔

کسی جگہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان حکمرانوں
کو اپنی رعایا سے محبت نہ تھی یا وہ اپنی مطیع رعیت پر ظلم اور
ستم ڈھانے کا ارادہ رکھتے تھے، عدل و مساوات میں نہیں
خانی اور کی ہے؟ کہنے والے کی کہیں گرواقت یہ ہے کہ
ہندوستان کے مسلم حکمرانوں نے کبھی بھی تنصیب سے کام
نہ لیا، جو حکمران پراہوا، وہ ہر ایک کے لئے ہوا۔ ہندو کے
لئے بھی اور مسلمان کے لئے بھی۔

تاریخ کا ایک عجیب و غریب واقعہ سمجھوں کے سننے
کے لائق ہے، اور فتح ہو چکا تو کچھ لوگ محمد بن قاسم کے
سامنے پیش ہوئے، جو اپنے اعمال و افعال کی وجہ سے حکومت
کے قانون میں واجب القتل تھے۔ محمد بن قاسم نے ان کو
جلا دوں کے سپرد کر دیا۔ ان میں ایک نے عجیب تدبیر پوی
اس نے کہا میرے پاس ایک چیز ایسی ہے جسے کسی نے کبھی
بھی نہیں دیکھا ہے۔ جلا دوں نے کہا دکھاؤ۔ اس جرم نے
کہا۔ تم کو نہیں، تمہارے سردار محمد بن قاسم کو الیت دکھا سکتا
ہوں۔ محمد بن قاسم کو اس کی اطلاع ہوئی، بلاشبہ فرمائش
کی کوئی چیز ہے۔ دکھاؤ۔

"اس نے کہا۔ اس وقت دکھاؤں گا جبکہ مجھ کو
اور میرے سلسلے کے کئی کو ان دی جانے محمد بن قاسم نے
کہا میں نے امان دی، اس نے کہا اپنا تحریری اور
تخطی امان نامہ دو۔ تو دکھاؤں محمد بن قاسم نے سمجھا کہ
کوئی بڑی ہی میثاقیت چیز ہوگی لہذا امان نامہ پر دستخط
کئے اس کے والد کی امان نامہ پر اس نے اپنی نوکریاں
کو تالو دیا۔ سر کے بال کو کچھیر دیا اور اسی پر ہاتھ بھرا،
اور ہانڈ کی انگلیوں کو اپنے سر سے لٹکایا پھر جیسے لگا،
اور کہنے لگا۔ کہ کسی شخص نے میرا یہ عجیب
غریب نامہ نہیں دیکھا ہوگا محمد بن قاسم اپنی غلطی پر
حیران تھا، لوگوں نے جو جو دیکھے، کیا، یہ کیا عجیب نامہ
ہے جس کے لئے امان دی جانے اس نے ہر دم کو دھوکا دیا
ہے، اسے قتل کرنا چاہئے۔ محمد بن قاسم نے کہا کہ تو دل بڑا
جلاں دارو، میں چنگھ اس کو امان دے چکا ہوں، اس
لئے اپنے عہد سے نہیں پھر سکتا، ان پر یہ سب ہے
کہ اس کو قید رکھا جائے، اور اس مساوی حجاج سے
فتویٰ طلب کیا جائے، جب حجاج کے پاس یہ نام نصیبت
لکھی پہنچی، تو اس نے خلیفہ ولید بن عبد الملک اور کزاد
ابو کے علاوہ لکھا اور اس مساوی فتویٰ طلب کی، خلیفہ
نے بھی اور عدل اے کو خبر لہو نے بھی حجاج کو لکھا کہ اس
کے ساتھ جو دورہ کی گئی ہے وہ ضرور باجوا چاہئے حجاج
حجاج کے پاس جواب کہنے پر دشمن اور اس کے کہنے نہیں
آئی جو احباب قتل تھے، نہ ہر دیکھتے تھے۔

موجودہ لٹریچر کی نظر سے یہ بتا رہی واقعہ گورے گا
تو متنبہ ہا کر نہیں گئے، اور کہیں گے "دوسرا ایسا فتویٰ ہے
(دینی عدلیہ)

عباد الرحمن

(رحمن کے بندے)

(از موجد مقبول عالم صاحبی لے۔ لاہور)

سچا رحمن اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے اور یہ اس کی عام رحمت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے رحمن کے بندے وہ ہیں جو عام لوگوں کی بھلائی چاہتے ہیں۔ اور ان کی مدد کرتے ہیں۔ وہ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتے ہیں جس کی بنیاد صحیح خدا پرستی اور عام لوگوں کی بھلائی پر ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں رحمن کے بندوں کی اکثر صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورہ فرقان کے آخری رکوع میں بھی ان کا ذکر آتا ہے۔ ہم اس رکوع کی روشنی میں ان صفات کو بیان کرتے ہیں۔

رحمن کے بندوں کی نمایاں صفت یہ ہے کہ وہ بڑے حلیم ہوتے ہیں اور خلق خدا پر بے حد شفقت ہوتے ہیں۔ سچی بات کو فوراً قبول کر لیتے ہیں اور لوگوں کو حق پر نہیں جانتے۔ وہ بڑی عاجزی سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر جاہل لوگ بھی ان سے چہات سے پیش آئیں۔ تو وہ درگند کرتے ہیں۔ اور ان سے اچھے نہیں بلکہ سلامتی کا پیغام دے کر الگ ہو جاتے ہیں۔ اور کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچاتے۔ یہ ان کی معاشرتی زندگی کا حال ہے۔

خلق خدا کی خدمت کے ساتھ اپنے مولائے حقیقی کے ساتھ تعلق مضبوط رکھتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر اس سے محبت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ رات کو جب سب لوگ سو جاتے ہیں۔ وہ اٹھ کر خدا کی یاد کرتے ہیں۔ اور اس کے حضور کھڑے ہوتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں۔ اس طرح رات غفلت میں نہیں گزارتے۔ غرض دل کو وہ عام لوگوں کی بھلائی کے کام کرتے ہیں۔ اور رات کو خوشی کی یاد کرتے ہیں۔ یہ ان کی عبادت زندگی کا نقشہ ہے۔ وہ خدا سے ڈرتے ہیں۔ اور برائیوں سے بچتے ہیں۔ ان کی اکثر دعا یہ ہوتی ہے کہ

اے ہمارے رب!

ہم سے عذاب جہنم کو دور کر دے۔
بلاشبہ جہنم کا عذاب بڑی بھاری مصیبت ہے اور بلاشبہ وہ ایک برا ٹھکانا اور بڑی تباہی کا مقام ہے۔
رحمن کے بندوں کی ایک خاص صفت یہ ہے کہ وہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ غریب کے معاملے میں بھی نہ تو اسراف یعنی بے نیادہ خرچ کرتے ہیں اور نہ بخل

کرتے ہیں۔ کہ بالکل خرچ ہی نہ کریں اور روپے کو بندھ دیں غرض ان کا اقتصادی پہلو بھی درست ہوتا ہے اور اس طرح نہ تو وہ خود معاشی تنگی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور نہ معاشرے کے معاشی توازن کو خراب کرتے ہیں۔ جہاں تک معاشرے کے نظم و نسق پر تعلق ہے وہ ضابطے کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور امن و امان کو خراب نہیں کرتے۔ اس معاملے میں ان کی بنیادی صفت یہ ہے۔ کہ وہ خدا کے سیاسی کو حاکم تسلیم نہیں کرتے۔ اس لیے خدا کے دے ہوئے قوانین کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور ان سے بغاوت و سرکشی اختیار نہیں کرتے۔ وہ کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں۔ جو ان کا مول کا ارتکاب کرتا ہے۔ وہ بڑا گناہ کرتا ہے۔ اور معاشرے کے اندر بہت بڑی برائی پھیلائے گا۔ موجب تباہی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں دگنا عذاب ہے اور وہ ذلیل ہو کر اس میں پڑے رہیں گے۔ مگر جو لوگ سچے دل سے توبہ کرتے اور اللہ کے حکموں کو مان لیتے ہیں اور اچھے کام کرنے لگ جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت سے امید ہے کہ انھیں معافی مل جائے گی۔ اور ان کی برائیاں اچھائیوں میں تبدیل ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا بھی دستور ہے کہ جو شخص سچے دل سے توبہ کرے اور اچھے کام کرنے لگ جائے۔ تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت سے رجوع کرتا ہے اور اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ ان کی ایک

صفت یہ ہے کہ وہ جھوٹ نہیں دیتے۔ نہ جھوٹی گواہی دیتے ہیں۔ اور نہ کسی جھوٹ کے کام میں شریک ہوتے ہیں۔ اور جب کبھی انھیں بے ہودہ کاموں کے پاس سے گزرتا پڑے۔ تو شرعیانہ طور سے گزر جاتے ہیں۔ نہ ان میں شامل ہوتے ہیں۔ اور نہ ان کی طرف دھیان دیتے ہیں۔ ان کی عام حالت یہ ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کے احکام سنائے جائیں تو فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ بہرے اور اندھے نہیں ہو رہتے۔ یہ ان کی انفرادی اصلاح کا حال ہے۔

”اجتماعی پہلو“ کے لحاظ سے بھی ان کی روش بہت اعلیٰ ہے۔ چونکہ گھر اجتماع کی پہلی اکائی (UNIT) ہے۔ اور گھروں کی اصلاح ہی پر معاشرے کی اصلاح کا دارومدار ہے۔ اس لیے سب سے پہلے ان کی زندگی میں برائی سے بچنے کے لیے ان کے گھروں کی اصلاح ہو جائے پھر معاشرے کے اندر حق و انصاف قائم کرنے کے لیے وہ ایک جماعت پیدا کرتے ہیں جس کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ

اے ہمارے رب!

ہمیں اپنے بڑی سچوں کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔

اور ہمیں خدا سے ڈر کر انصاف قائم کرنے میں مدد فرما۔

چونکہ یہ لوگ نہایت صبر و استقامت سے جہد کرتے ہیں۔ اس لیے ان کے لئے بہترین جزا ہے۔ وہ دنیا میں عنایت اور اعلیٰ مرتبے حاصل کرتے ہیں۔ اور آخرت میں ان کے لیے جنت کے بالاخانے ہیں۔ وہاں جہاں اور سلام کے ساتھ ان کا استقبال کیا جائے گا۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جو اچھا ٹھکانا اور اچھی قیامگاہ ہے۔

حسب عبادت

اس آیت میں اپنا چہرہ دکھیں اور غصہ خالی دست کریں۔ تاکہ ایک اچھا معاشرہ پیدا ہو سکے۔

فرمودہ اقبال

ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
یہاں سبکدوڑوں کا رواں اور بھی ہیں
چمن اور بھی آشتیاں اور بھی ہیں
مقامات آہ و غصاں اور بھی ہیں
ترے سامنے آسمان اور بھی ہیں

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ہتی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
قتاعت نہ کہ عالم رنگٹ بو پر
اگر کھو گیا اک نشین تو کیا غم
تو شہیں ہے پرواز ہے کام تیرا

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زماں و مکاں اور بھی ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حکایات الصالحین

(از مولانا بشیر احمد صاحب نقشبندی سر خطیب جلالہ پور)

حالات

امیر المؤمنین امام المتقین محبوب الرحمن حضرت امیر عثمان حضرت نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داماد تھے۔ جناب کا نام نامی عثمان بن عفان تھا۔ جو تھی پشت میں ان کا سلسلہ نسب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر ملتا ہے۔

حسن ظاہری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم سے فرمایا کہ میں نے تیرا نکاح جس شخص سے کیا وہ صورت اندک میں تمہارے دادا حضرت ابراہیم اور تمہارے باپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ملتے جلتے ہیں۔

عمر کا تفاوت

قبول اسلام کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ برس چھوٹے تھے۔

قبول اسلام

ابتداءً زمانہ بعثت جناب رسول پاک میں حضرت عثمان اور علیہ السلام تجارت ملک شام گئے ہوئے تھے۔ جب بحریہ تمام مال تجارت فروخت کر کے مکہ معظمہ واپس آئے۔ تو حضرت صدیق اکبر ان دونوں صاحبوں کو جہاں پہلے ملائم یحیٰ بن زبیر سے ملے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں صاحبوں کو چنانچہ قرآن مجید سنائیں اور دین اسلام کی خوبیاں بیان فرمیں اور عنایت خدا سے اہل بیت کا اہل لکھا۔ اسکی بنیاد انھوں نے پڑھائی اور فرمایا چونکہ طبیعت میں مسابقت تھی اور دین اسلام کی قربت تابعیت سائے کے نیکوستان ہمارا پیش پیراست

توفیق ازلی رفیق راہ ہوئی دونوں صاحب مشرف اسلام ہو گئے اور طریق دین محمدی اختیار کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چرخہ

حضرت عثمان نے اسی جلسہ خدا جب میں سفر شام سے واپس ہوا ہوں۔ (اثنائے راہ میں ایک شب خواب میں دیکھا کہ باقی عیسیٰ با عازر بلند یہ منادی کر رہا ہے۔

”اے خواب غفلت میں بدست ہونچا لو۔

اٹھو۔ سنبھلو۔ بیوش میں آؤ۔ غفلت کو

چھوڑ دو کہ جناب رسول خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

برحق نے صلائے عام دی ہے۔ اور رب

کو اسلام کی دعوت دی ہے۔ لوگ

جو حق مشرف اسلام ہوئے

کے لیے آ رہے ہیں۔ گروہ مد گروہ اطاعت

وجوہ سے چلے آ رہے ہیں۔ اور اسلام میں داخل ہو کر دارالسلام پانے کے متوجہ تھے جاتے ہیں۔

جب ہم اہل قافلہ کہ مظہر میں داخل ہوئے اور یہاں پہنچ کر سنا کہ آپ خلق خدا کو اسلام کی طوط بلا رہے ہیں ہم نے اپنا خواب آپ کے دعویٰ کی حقیقت کی دلیل جانا اور اسلام اختیار کیا۔

اسلام قبول کرنے پر زبردست آتش

اور بے مثال انتقام

آپ کے اسلام کی خبر جب آپ کے چچا حکم بن العاص کو پہنچی نہایت غیظ و غضب میں آیا۔ اور دم گئے ساپ کی طرح پیچ کھایا اور غلبہ اسف سے اپنے ہاتھ کاٹنے لگا۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ جابلانہ حمیت نے اور جوش ہلایا۔ آپ سے باہر ہو گیا۔ غصہ ضبط نہ کر سکا۔ آپ سے انتقام لینے پر آمادہ ہوا۔ اور اس طرح دل کا بخار نکالنا چاہا۔ چنانچہ اس نے آپ کو ہر چند زبانی سمجھایا۔ نصیحت کی۔ ڈرایا دھمکایا لیکن سب بے سود تھا۔ مجبوراً کھسیا ہوا کہ آپ کے پاؤں میں آمینی زنجیر ڈال دی۔ اس پر بھی بس نہ کر کے ہر طرح سے اذیت دینا سانی کی کوشش کی اور نہایت غصہ میں آکر کمال زجر و توبیخ کرنے لگا۔

و اے میرے بیٹے شام سے تم بہت اچھا

تحفہ ہمارے لیے لائے۔ تمہاری اچھی

تجارت ہے۔ ہم کو یہ نفع ہوا کہ تم کو

کھو بیٹھے۔ آباؤ اجداد کا دین ترک کر

کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیکل نے میں آ گئے۔

قدیم دین چھوڑنے کا اختیار کیا نہ اب

جدید سے رشتہ جوڑا۔ یہاں تا غفلت قطع کر کے

رشتہ و ناتا آبائی توڑا۔ خبردار سن لو۔ قدیم

راہ چھوڑ کر ہرگز صلاح نہ پاؤ گے۔ اگر دین

محمدی نہ چھوڑو گے تو زندگی بھر اس قید

گراں و جس شدید سے نہ چھوڑو گے۔ تمام

زندگی خنداں خدا ہو گئے۔ ایسی تکلیف

میں دم توڑ دو گے کہ مرغ و ماہی تمہاری آہ

و فغان و نالہ نار ساقی کر گر ہزار ہی گویں گے

اگر تم سے ان مصائب سخت کا تحمل ممکن ہے

تو عمر کے دی پر ہو۔ ورنہ ابھی کچھ بگڑا

نہیں اپنے مذہب قدیم پر پھراؤ۔ تمہاری یہ خطا و قصور معاف کر دوں گا۔ تمہاری دہی عزت و حرمت جو اس سے قبل تھی پھر وہی ہوگی۔

جناب عثمان چونکہ سچے دل اور پکے عقیدے سے دین اسلام اختیار کر چکے تھے اور اس راہ حق میں ان کو سب مصائب اور تکالیف عین راحت اور آرام تھیں۔ اپنے چچا کی باتوں کے جواب میں یوں گویا ہوئے۔

”اے تم حکم۔ میں اسی خدا کے پاک کی

قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس نے اپنی حرمت

کا ملہ سے آسمان رسالت پر ایک ایسا

روشن آفتاب چمکایا جس کے نور شعاع

عالمیاب سے ظلمت و کفر و منکرات صفر

ہستی موموم سراب نما سے مثل حرف غلط

صاف اڑ گئی اور تمام عالم جگمگا اٹھا اگر

میرا سر اس تن خاکی سے جدا بھی کر دیا جائے

تو میرا یہ جسم بے جان دے سر محمد کے

آستانہ پر پڑا رہے گا۔ اور اگر میرا تمام

بدن آتش سوزاں سے جلا کر خاک سیاہ

کر ڈالو گے تب بھی وہی خاک اسی کو چیر

میں بگوں گے ساتھ لپٹ کر پیچ جاؤں گی

محمد پر تمہارے اس تہد رکھنے اور تکلیف

پہنچانے کا مطلق اثر نہیں۔ اور نہ میں دین

اسلام سے پھر سکتا ہوں۔ جناب رسالتاب

صلی اللہ علیہ وسلم کی عام ہدایت حق نے

میرے دل پر ایسا نقش قویہ جاری ہے

اور اس نچنگی سے رنگ آمیزی کی ہے

کہ اگر ہزار برس تک برابر بارش ہوتی

رہے۔ ہزاروں ہند و نصالح کے دفتر

سنائے جائیں ہرگز وہ نقش نہ مٹے گا۔

اے عزیز چچا آپ اپنے خیالات عالم

اور باطلہ سے باز آئیے۔ اور جو خیال ناس

آپ نے میرے محبوب کی نسبت باندھ رکھا

ہے اپنے دل سے نکال ڈالیے۔ اگر خدا

آپ کو توفیق دے تو آپ بھی یہی دین

مستقیم اختیار فرمائیے۔ ورنہ مجھ کو میرے

حال پر چھوڑ دیجئے۔ جناب رسول خدا

صلی اللہ علیہ وسلم بے مثال کے دیکھتے ہی میرا

دل میرے قبضہ اختیار سے نکل گیا اب

میں بالکل بے تاب و ابد بے بس ہو گیا ہوں

اور مجبور ہوں کہ اب حالت یتیم سے

پھر نہیں سکتا۔ میں اس شمع ہدایت کا پروژہ

ہوں اور جان و دل حضور اقدس کی ایک

نظر ہدایت اتر کے نذر گر چکا ہوں اس

روشن چاند کی محبت میں ایسا شفیق و اود

خود رشتہ نہیں ہوا ہوں کہ اس سے دوری

اور جدا کی کا خیال بھی کبھی میرے دل میں

سلطنت مغلیہ کا زوال اور اس کے اثرات

از چوہدری محمد ندیم خاں صاحب کمال جی - اے

”اور نہ ہی نہایت“ مالگیر کی وفات سے
ی سلطنت مغلیہ کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ سلطنت
سے ۱۱۲۷ھ تک چھ سال کے مختصر عرصے میں چار
بادشاہ سربراہ تھے تخت ہوئے مغلوں کا تاج و تخت
بارہ کے ”بادشاہ گروہ“ سیروں کے ہاتھ میں تھا حکومت بالکل
بے جان ہو چکی تھی۔ مختلف صوبے آزاد ہو رہے تھے۔
روپیہ جلاٹ اور مرہٹے قینوں اطراف سے حکومت
کو دبا رہے تھے۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ مغلوں کی عظیم انسان
سلطنت کا شیرازہ بکھر رہا تھا۔ ۱۵۵۷ء میں بادشاہ
بلالے آسمانی بن کر نازل ہوا جس نے قتل عام کر کے
دلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ یہ ایک ایسا گھاؤ
تھا جس کا انداز مشکل تھا۔ اور ابھی یہ زخم مرے
ہی تھے کہ احمد شاہ ابدالی کی دوسری بلانڈل ہو گئی۔
جسے عثمان اور لاہور کے دو صوبے دے کر بادشاہ
نے نجات حاصل کی۔ شجاعت باہری بہ دہلیہ اکبری
عدل جہانگیری۔ سطوت فضا جہانی اور جرأت عالمگیری
ایک قصبہ پارہیز بن چکی تھی۔ اور یوں معلوم ہوتا
تھا۔ ”رنگینی حقیر وقت“ کے مصداق مغلوں
کا وقت ختم ہو چکا ہے اور نفاذی اجل کا یہ فیصلہ

کے
سے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مغایات
اٹل دکھائی دیتا تھا۔ غرضیکہ حالات یہ تھے بدتر سے بدتر
تھے۔ اور مغلوں کی اولاد میں پھر کوئی ایسا پیدا نہ ہو سکا
جو اس ہتھے ہوئے وقار کو سنبھال سکے مغلوں
کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اور آخر میں مغلیہ
سلطنت سے عبارت دہلی انداس کا حلقہ علاقہ رہ گیا
تھا جب ہم اس زمانہ کو دیکھتے ہیں تو بڑی ہی بھیانک اور
پر آشوب دور دکھائی دیتا ہے تمام ملک میں انداس اور
بدعالت تھی۔ فوجوں کی بدحالت ہو چکی تھی۔ کمان کے پاس
گھوڑے اور دوی تو کچھ تو اپنی ڈھال اور تلوار بھی
بٹپے کے پاس گروی رکھ دیتے تھے۔

مسلمانوں میں ایک مٹنے والی قوم کے جملہ اخلاقی
تمدنی۔ سماجی۔ معاشرتی۔ مذہبی اور اقتصادی زوال
پیدا ہو چکے تھے اور سمجھنے والے سمجھ چکے تھے۔ کہ یہ
بیمار اب چند گھڑی کا مہمان ہے۔ خود بادشاہ کی حیثیت
ایک مرغ و میر سے زیادہ نہ تھی۔ اور آخری وقت میں
یہ حالت ہو چکی تھی۔ کہ بادشاہی سکھ لال قلعہ میں قویہ تھا
لیکن باہر نہیں۔ اس کا اندازہ ہوا کہ لوگوں کے اطلاق محمد

اور معاشرت ہر چیز پر یاس و ہراس چھا گیا۔ اور زندگی کے
ہر شعبہ میں یاس۔ قنوت اور خوف ورجا کا رنگ جم گیا۔
ان حوصلہ شکن حالات میں بھی دایمی الی الحق اپنا فرض
پورا کر رہے تھے۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامیان ہند کی آزادی
کی تڑپ نے ہنگامہ سی ستادوں پر پا کر دیا۔ لیکن ان سوس
آزادی کی یہ کوششیں غیروں سے زیادہ ”اپنوں“ کی
”جہرا نیوں“ کی وجہ سے جنگ آزادی کی بجائے غدار
کے نام سے لکھی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت مغلیہ کا
ٹٹا ہوا چرائع ہمیشہ کے لیے بچ گیا۔ پس پھر کیا تھا۔
ہر طرف عداوت و گھبر کا سلسلہ شروع ہوا۔ دلی کا کوئی محلہ
ایسا نہ تھا جہاں سولی نہ کھڑی کی گئی ہو۔ اپنے بیگانے
بن بیٹھے۔ برادران وطن اقیار کی گوزیں جا بیٹھے
اور ہر مسلمان غدار اور قابل دارہ کہلایا۔

جسے دیکھا حاکم وقت نے کہا یہ بھی قابل دابے
ہنگامہ سی ستادوں کے بعد مسلمانوں کے اقتدار
کی آخری امید بھی ختم ہو گئی۔ اور مسلمانوں کا خطاط
کا زمانہ بھی نہ رہا۔ سلطنت مغلیہ کا آخری ناجاد بادشاہ
گزشتہ کر کے بقیہ زندگی اسیری میں گزارنے کے لیے
رنگوں بھیج دیا گیا۔ شاہ قدرت اسلام کے نعیش کا
کفارہ لینا چاہتی تھی۔ خطاط کی سوسالہ مسلسل
نے یہ کیفیت پیدا کر دی تھی۔ کہ مسلمان اپنی روایات
کو بھول چکے تھے۔ قومی اعتبار سے کوئی احساس
باقی نہ رہا تھا۔ صرف روٹی کی منکر تھی۔ اور یہ اس
طبقہ کی حالت تھی کہ جس سے مسلمانوں کی تہذیب اور
معاشرت عبارت تھی۔

اس ماحول میں جبکہ انگریز اقتدار حاصل کر چکا
تھا۔ اور نیا نظام پیدا کرنا چاہتا تھا۔ ہندو چلے ہی
انگریز سے مصالحت کر چکا تھا۔ مسلمان کے سامنے
دو ہی راستے تھے۔ کہ یا تو انگریز سے مصالحت
کرے یا ختم ہو جائے۔ ایسے حالات میں جبکہ حواشر
زمانہ قوم کو خس و خاشاک کی طرح بہائے لے جا رہے
تھے۔ اور ہر طرف یاس و ناامیدی کی گھاٹی مستط
تھیں۔ قوم جذبات میں ہی جا رہی تھی۔ نہ مکتب
خیال پیدا ہوئے۔ ایک گروہ نے جس کی قیادت
سر سید کے ہاتھ میں تھی۔ مناسب سمجھا کہ انگریز سے
مصالحت کی جائے اور مسلمانوں کے متعلق جو
مخلوک انگریز کے دل میں پیدا ہو چکے ہیں۔ ان کو دور
کیا جائے۔ لوگوں نے ان کو کہ سلطان کہنا بہن اوت

کے نام سے بکارا۔ انگریز پرستی کا الزام ان پر لگایا
گیا۔ مجھے اس جگہ سر سید مرحوم کی وکالت منظور
نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ انگریز پرست نہ تھے
ان کے دل میں اسلام کی بے پناہ محبت موجود تھی
اور قومی احساس کا گہرا شعور ان کے ہاں موجود تھا۔
یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی ہدایات گذشتہ کا
احساس قوم میں پیدا کر کے اسے زندہ رکھنا چاہتے
تھے۔ وہ محض اچانے ملی کے لیے تقلید فرنگ
کے قائل تھے۔ تہذیب الاخلاق کے احباب
سائینٹیفک سوسائٹی کے قیام اور عثمان کالج علیگڑھ
کی بنانے نئی زندگی اور نئے ادب کے دروازے
کھول دئے اور مغربی اثرات زندگی کے شعبے
پر اثر انداز ہونے لگے۔

دوسرے مکتب خیال کے علمبردار علمائے
کرام تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ انگریز سے مصالحت نہ کی جائے
اور مسلمانوں میں پرانا قومی شعور پیدا کیا جائے۔
جہاں سر سید قوم کو آگے لے جانا چاہتے تھے۔ علمائے
چاہتے تھے کہ مسلمان پیچھے ہٹنے جائیں۔ حتیٰ کہ
اصحاب کبار کا زمانہ آجائے۔ زمانہ کی پاک پھر
کہ عہد صحابہ سے ملا دی جائے۔ اور مسلمان ایسی
جگہ کھڑا ہو۔ جہاں سے وہ اپنا دُشمنہ فاضی رکھ
سکے۔ وہ مسلمانوں کو صحیح قرآنی تعلیم اور احادیث
کی روشنی میں آگے لے جانا چاہتے تھے۔ ان کو یہ
یقین تھا کہ قرآن ایک انقلابی کتاب ہے۔ اس
نے قوموں اور ملکوں کی قسمت بدلی ہے۔ اس کے
احکام ماننے والے باور نشینا لو عرب مُدنی اور
فاروق کہلائے۔ قرآن کا معجزہ ہے کہ اس نے
ساری دنیا کی دولت عرب کے بدوئیل کے قدموں میں
لا کر ڈھیر کر دی۔

علمائے کرام زندگی کے ہر شعبہ حیات میں
آنحضرت کی زندگی کو مینار نور بنا کر بڑھنے کی تعلیمیں
کرتے تھے۔ لیکن ان سوس کہ جس وقت یہ تحریک پیدا
ہوئی زندگی ایک نئے موڑ پر پہنچ چکی تھی۔ ہمارے
جاگیر دارانہ نظام اور نئے نظام میں جنگ جو رہی
تھی۔ ایک نئی تہذیب نئی شکل میں نمودار ہو رہی تھی۔
انگریز کی سیاسی مصلحتیں جگہ جگہ چھل رہی تھیں
اور کوششیں یہ تھیں کہ مسلمان مسلمان نہ رہے۔ یہ اپنے
داعی کو فراموش کر دے۔ نام بے شک عہدِ اشد اور

عبدالرحمان میں۔ لیکن دل میں ایمان باقی نہ رہے۔ مسلمان فلسفہ جہاد کو بھول جائے۔ اس غرض سے سات سمندر پار سے ماہرین بلائے گئے کہ ایک ایسا نظام تعلیم رائج کیا جائے جو ان شاہین بچوں کو کبار کا سبق دے کر انہیں اپنی روایات سے سراسر بے بہرہ کر دے۔

ان بنیادوں پر انگریزی کالجوں کی بنیاد رکھی گئی۔ اور آخر نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی دان نوجوان یورپ کی زندگی اور ادب سے مستمتع ہونے لگے۔ تقلید فرنگ میں اپنی تعلیم۔ تہذیب اور روایات سے متنفر ہو گئے۔ انگریز کا مقصد پورا ہو گیا مسلمان نوجوان اپنے مذہب سے بیگانہ ہو چکا تھا۔ اپنی روایات کو بھول چکا تھا۔ انگریز دراصل خود کا کھانا۔ اس کی دنیا کی آنکھ نہ تھی۔ یہی اٹھ ہم پر ہوا۔ دنیا پیش نظر نہ گئی۔ فکیر نہ رہا۔ اسلام سے محبت نہ رہی۔ نجات پر ایمان نہ رہا۔ اسلامی شعور نہ رہا۔ اسلاف پر ناز نہ رہا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی مخالفت میں ہمارا نوجوان طبقہ انگریزیت سے بھی دو قدم آگے نکل گیا۔ اور اس نے غرور لگایا۔ کہ ملال کو مٹا دو۔ ملال ازم قائم نہ ہونے دیں گے۔ ان کے داغ میں مغربی اثرات تھے۔ انہیں یہ احساس ہی نہ تھا۔ کہ سنیں تو سہی کہ ملال کہتا کیا ہے۔ انہیں تو انگریز نے ملال سے نفرت سکھائی تھی۔ وہ تو صورت ہزنا سٹرواس تھے۔ اگر استعمار قبول ہی ان میں ہوتی۔ فوراً ایمان ل میں زندہ ہوتا۔ تو وہ سوچتے کہ ملال یہی کہتا ہے نا۔ کہ متراب نہ پیو۔ زمانہ نہ کرو۔ جو نہ کھیلو۔ کلبوں اور بال روم میں برائی ہو۔ بیٹھیں۔ سے مل کر ڈانس نہ کرو۔ اس سے صلا ملال کو ذاتی فائدہ کیا ہے۔ صبح سویرے جب تم گرم بستروں میں پڑے محو استراحت ہوتے ہو۔ وہ بے چارہ مسجد میں جا کر اُصلو الخیر و اتوا صلو الخیر کی صدائ بلند کرتا ہے۔ رات کی تاریکی میں کلبوں میں ٹھوکریں کھانا عشاء کی جماعت کرنے جاتا ہے تم سینما گھروں کی رونق مہکتے ہو۔ تہاڑے عشرت کے بجلی کے فتنوں سے بے لطف نہ بنے ہوئے ہو۔ مسجد گھڑانے کے کسی چھوٹی دھڑکی میں مسجد کی ٹوٹی چائون لٹھا اٹھ کر کہیں ہو یہی اللہ کے بندے ہیں جن کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں سنت خیر الامام ہے۔ وہ ناعی الی الحق ہیں۔ ان کی جوتیوں کی خاک سے وہ موتی ملے ہیں۔ جو بادشاہوں کے تاجوں میں نہیں۔ ان کا وجود تو اللہ کی طرف سے اتمام حجت ہے۔ کہ قیامت کے دن کوئی یہ نہ کہہ پائے۔ کہ اے اللہ ہمارے پاس تیرا کوئی ڈرانے والا بندہ نہیں آیا۔

اگر ذرا فہم بصیرت ہوتا۔ قرآنی اندام اسلامی تعلیم یکسر زاموش نہ ہو گئی ہوتی تو فوراً رسول خدا کی وہ حدیث یاد آگئی ہوتی کہ اللہ کے بندے وہ ہیں جن کو دیکھ کر خدا یاد آئے۔

علمائے کرام اور صوفیائے عظام ہی تو ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں۔ عالم مسلم سکھاتے ہیں۔ صوفی مثال کو حال کا رنگ دیتے ہیں۔ دونوں کا مقصد غیب اللہ سے دل توڑ کر اللہ سے

لغیہ نذرات :- (۳۳ سے آگے)

اگر آپ نے وی پی نہ وصول کیا تو وہ واپس چلا جائے گا۔ یہ تو ایک لمبا کام ہے خدا جانے اس تجویز کو قابل عمل بھی سمجھا جاتا ہے یا نہیں۔ اگر یہ قابل عمل ہو تو اس پر عملدرآمد نامعلوم کب شروع ہو۔ لیکن اکثر وی۔ پی بھجوانے اور وصول کرنے والوں کی حقیقت بھی ہمارے لیے کوفت کا سامان بن رہی ہے۔ کسی دوسرے کے کہنے پر بعض احباب کو پانچ چھ پرچے مفت بھیجے جاتے ہیں۔ وہ ان کو وصول کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد جب وی پی بھیجا جاتا ہے تو وصول کرنے سے صحت انکار کر دیتے ہیں۔ کیا یہ ان کا اخلاقی فرض نہیں تھا کہ اگر خریداری منظور نہ تھی تو دفتر کو اطلاع دیدیتے یا کم از کم ایک پرچہ ہی واپس کر دیتے۔ بعض احباب خریداروں کی پوری رضامندی حاصل کئے بغیر ہمیں دی پی بھیجنے کے لیے آرڈر دیدیتے ہیں۔ جب وی۔ پی جاتا ہے تو وصول نہیں کیا جاتا۔ ایک صاحب کے متعلق ہماری ایک بہن حضرت مولانا احمد علی صاحب سے عرض کر گئی کہ ان کو وی پی بھیج دیں۔ وی پی بھیجا گیا تو واپس آ گیا۔ ان کو خط لکھا گیا۔ مگر جواب نہ ملا۔ اس کے بعد دوبارہ غالباً ایک دوسری بہن ان کا ذرا مختلف پتہ دے گئیں۔ لیکن اس پتہ پر ارسال کردہ وی پی بھی واپس آ گیا بعض احباب کے خطوط سے ہماری حوصلہ افزائی ہوتی ہے تو ان باتوں سے دل شکنی بھی ضرور ہوتی ہے۔ کچھ چونکہ ہم نے یہ اخبار محض اللہ کی رضا کے لیے جاری کیا ہے۔ اس لیے ان باتوں سے انشاء اللہ العزیز ہمارے عزائم متزلزل نہ ہوں گے لیکن اس سے ہمارے قومی کردار کی گراؤ کا تو ثبوت تو ضرور ملتا ہے۔ آخر میں ہم قارئین کرام کی خدمت میں ایک اور بات عرض کرنی چاہتے ہیں۔ آپ اس ہفتہ وار اخبار کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے جو تجویز

دل لگانا ہوتا ہے۔ وہ یاد دلاتے ہیں۔ جو اللہ کے ہاں عقیدت سے لینے آئے۔ اللہ اسے غالی نہیں ٹوٹاتے اور جو لینے نہیں آتا اسے کوئی دین نہیں ملتا۔
ناعتہا فلا یأوی الی الاکصا

چاہیں۔ ارسال فرمائیں۔ ادارہ اس پر پوری طرح غور کرنے کے لیے تیار ہے۔ مگر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ ادارہ کے لیے ہر تجویز پر عمل کرنا اگر ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔ ہماری مشکلات کا اکثر احباب تو اندازہ ہی نہیں کر سکتے اس لیے اگر آپ کی صاف رائے پر فی الحال ہم عمل نہیں کر سکتے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ کی رائے کو رد کر دیا گیا ہے۔ میں امید ہے کہ انشاء اللہ العزیز مستقبل قریب میں ہی ایک وقت ایسا آئے گا۔ کہ ہم ہر اچھی تجویز کو اپنانے اور عملی جامہ پہنانے کے قابل ہو جائیں گے۔ اسی منادالانام میں اللہ

لغیہ حکایات الصالحین

(۳۳ سے آگے)

میں ہوتے تو دی جاتا۔ یہی صورت پیش آئی کہ آپ ہی بھیجے گئے اور جناب رسول خدا صلعم کے حکم سے گئے۔ اس پر کون سا موقع طعن و تشنیع کا ہے۔ عثمان کے چلے جانے کے بعد بیعت رضوان ہوئی تھی۔ جناب رسالت نے اپنے واسطے ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ”یہ عثمان کا ہاتھ ہے“ اور اپنے باتیں ہاتھ میں لے کر فرمایا۔ ”یہ عثمان کی طرف سے بیعت ہوتی۔“

جب ابن عمر رضی عنہما کے صحابہ کے جواب دے چکے۔ فرمایا ان باتوں کو اپنے ساتھ لے جا ہمارا کیا نقصان ہے بلکہ اگر جناب عثمان کے متعلق تیرے یہ عقائد غلط ہیں تو تیرا ہی نقصان ہے۔ تیرا ہی دین تباہ ہو گیا۔

قرابت نبوی

حضرت امیر عثمان رضی اللہ عنہ میں پچھلی پشت میں اور مادری سلسلہ میں دوسری پشت (عبدالصلیب) میں سرور عالم سے جاتے ہیں

راہ پائے۔
للمختصر آپ کے چچا حکم نے جب دیکھا کہ عربیہ
بھتیجا اپنی ضد کا پکڑا ہے اور سچا اعتقاد دین اسلام کا رکھتا
ہے اور دین اسلام سے اب اس کا پھر نانا ممکن ہے تو
اس نے اپنے خیالات کو چھوڑ دیا۔
اس کے بعد حضرت عثمانؓ بلا تفریق و مزاحمت
جناب رسول خدا صلعم کی خدمت بابرکت میں آتے جاتے
رہے۔ اور صحبت نبی پاک کی برکت سے تمام کمالات
ظاہری و باطنی حاصل کئے۔

فضائل حضرت خلیفۃ ثالث

پہلی تفصیلات

بی بی عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جناب رسالتاب نے فرمایا
”مجھ کو خداوند تعالیٰ نے بذریعہ وحی حکم بھیجا
ہے کہ میں اپنی بیاری بیٹیاں رقیہ اور
اُمّ کلثوم عثمانؓ کو عقد میں دوں۔“

دوسری تفصیلات

باروایت ابی حذیفہ وارد ہے کہ حضور سرور عالم
صلعم فرماتے ہیں کہ میری کا کوئی رفیق جنت میں ہوگا اور
میرے رفیق جنت میں عثمانؓ ہیں۔

تیسری تفصیلات

باروایت ابن عباسؓ جناب رسول خدا صلعم سے
مروی ہے کہ فرمایا ہر روز قیامت حضرت عثمان کی شفاعت
سے ستر ہزار (۷۰۰۰۰) آدمی بوجہ گناہ کبارہ کے مستحق عذاب
دوزخ ہوں گے۔ جنت میں داخل کئے جائیں گے اور ان
کا کچھ حساب و کتاب نہ ہوگا۔

سخاوت

ہر روایت عبدالرحمن بن سمرہ وارد ہے کہ جناب
عثمانؓ حضور سرور عالم صلعم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے
اور عرض کیا: ”یہ ہزار ہا شکر کے دیگر ضروری مصارف
کو لایا ہوں“ اور دینار حضور کی گود مبارک میں ڈال دیتے
جناب رسول خدا صلعم ان دیناروں کو چومتے اور فرماتے تھے
”اب سے جو چاہیں عثمانؓ کریں۔ ان کو کچھ غم نہیں“
اسے جو چاہیں عثمانؓ کریں ان کے لئے کچھ غم نہیں“
یہ کلمات نہایت خوشی اور شاماشی کے ہیں۔

سخاوت کا دوسرا واقعہ

ایک دفعہ جناب نے اپنی زمین کا ٹکڑا فروخت
کر کے اس کی قیمت (دو لاکھ منہمہ) فی سبیل اللہ تقسیم
کر دی حضرت امیر عثمانؓ کی سخاوت کے واقعات بہت
مزی زیادہ ہیں۔ ہم نے صرف نمونہ کے طور پر دو ہی بیان
کر دیے ہیں۔

فتنہ کا زمانہ اور حضرت امیر عثمان کا مقام

پہلا واقعہ:۔ مگر بن کعب کہتے ہیں کہ جناب رسول
خدا صلعم سے میں نے سنا ہے۔ میں حضور نبی کریم کی خدمت

میں حاضر تھا۔ آپ نے ایک فتنہ کا ذکر کیا اور اس کو ہونچا
فرمایا۔ اسی حالت میں ایک صاحب چادر سر سے اوڑھے
ہوئے اس مقام سے گزرے۔ چہاں رسول خدا صلعم
اور دوسرے اصحاب تھے۔ جناب رسول خدا صلعم نے
انکی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔

اس فتنہ و فساد کے دن یہ شخص راہ راست
پر ہوگا۔“

دوسرا واقعہ:۔ زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ میں نے
حضور سرور عالم صلعم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ:-

”میرے پاس ایک فرشتہ آیا ہوا تھا۔ اور وہ بیٹھا
ہوا تھا۔ مجھ سے باتیں کر رہا تھا کہ اتنے میں عثمانؓ میرے
قریب ہو کر گزرے۔ اس فرشتہ نے ان کو دیکھ کر کہا
یہ شہید ہوں گے۔ ان کی قوم کے لوگ انھیں مار ڈالیں گے
مجھ کو ان سے شرم آتی ہے۔“

تیسرا واقعہ:۔ ہر روایت انسؓ وارد ہے کہ جناب
رسول خدا صلعم فرماتے ہیں:-

”خداوند تعالیٰ کی ایک تلوار پیام میں بند ہے جب
تک عثمانؓ زندہ ہیں وہ تلوار پیام کے اندر ہے۔ جب
عثمانؓ شہید ہوں گے وہ تلوار پیام سے باہر نکل آئے گی۔
پھر قیامت پیام میں نہ ہوگی۔ یعنی ان کے واقفہ
شہادت کے بعد ہمیشہ کشت و خون ہوتا رہے گا۔“

نعمت رضائے مصطفیٰ ایک دفعہ رسول اکرم

امیر عثمانؓ کی بہت بڑی سخاوت سے بے حد خوش ہو
کر تین دفعہ فرمایا:-

”خداوند! میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی
ان سے راضی رہنا۔“

قرآن کریم کی کتابت

اکثر اوقات جناب
فرمایا کرتے تھے:- اطراف و جہان کے مسلمانین کے نام
خط و کتابت جنہیں بعض مضامین تھیں ہوتے۔ جن کا انبار
علی العموم مناسب وقت پر نہ ہوتا۔ آپ ہی لکھا کرتے
چنانچہ ایک مرتبہ جناب رسول خدا صلعم جناب عائشہؓ سے
تنبیہ لگائے بیٹھے تھے اور حضرت عثمانؓ بھی وہاں
موجود تھے۔ جبرائیل امینؑ وحی سے کرتے تھے لائے۔
اور حضرت صلعم نے ارشاد فرمایا:- ”عثمانؓ لکھو اور
آیات قرآنی پڑھ کر سنائیں۔“

ابو سعیدؓ کہتے ہیں:- میں نے دیکھا ہے کہ اہل
رات سے طلوع فجر تک جناب رسول خدا صلعم
جناب عثمانؓ کے واسطے دعا فرماتے تھے اور یہ الفاظ
زبان مبارک پر تھے ”خداوند! میں عثمان سے راضی ہوں
تو بھی اس سے راضی رہنا۔“

بہن سوال اور انکے جواب

ایک شخص مصری با ارادہ حج بیت اللہ کو جاتا تھا
وہ مدینہ منورہ میں بھی آیا اور مجمع صحابہ کبار میں پہنچ کر
جہاں کچھ لوگ بیٹھے تھے اُن سے مخاطب ہوا:-

پوچھا:-

مرد مصری:- آپ کون لوگ ہیں؟ صحابہ کبار ہیں؟

قریش ہیں۔

مرد مصری:- تم لوگوں میں زیادہ عمر والا کون ہے؟

صحابہ:- عبداللہ بن عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مرد مصری:- (عبداللہ بن عمرؓ سے مخاطب ہو کر)

اے ابن عمرؓ میں آپ سے چند سوال کرتا ہوں۔ مجھے جواب
دیکھئے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ عثمانؓ جنگ امیر میں بھاگے تھے۔

ابن عمرؓ:- ہاں بھاگے تھے۔

مصری:- کیا سیدہ رضوانہؓ اللہ ہی غائب تھیں اور
ابن بیت میں حاضر نہ ہوئے۔

ابن عمرؓ:- ہاں۔ ایسا ہی ہوا۔

مصری:- (تجانبہ لہجہ سے) اقدار۔

مرد مصری کی غرض ان سوالات سے اظہار
واثبات جرم جناب عثمانؓ کی شان میں تھی۔

جب عبداللہ بن عمرؓ نے اس کے سوالات کی تصدیق
کی اور ہر سوال کو تسلیم کر لیا تو اس نے براہ تعجب اللہ اکبر

کہا۔ یعنی باوجود ان عیوب کے تم لوگ عثمانؓ کو ہتر سمجھتے
ہو۔ جب مصری اپنے سوالات ختم کر چکا تو عبداللہ بن

عمرؓ اس کے جوابات کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا:-
ابن عمرؓ! اؤ اب کان دھر کر سنو! تمہارے ہر ایک

سوال کا جواب دیتا ہوں۔ اور وہ معقول بیان کرتا ہوں۔
(حضرت عثمانؓ کا جنگ امیر میں بھاگنا) میں گواہ ہوں

کہ خدا تعالیٰ نے یہ گناہ ان کا بلکہ ان سب کا بھی جو
اس جنگ میں بھاگے معاف فرما دیا۔ قرآن مجید میں

آیت ”وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ“
التغی الجوان۔ شاہد عدل موجود ہے ایک عثمانؓ

کیا سب بھاگنے والوں کا گناہ خداوند قہوس نے
معاف فرما دیا۔ اب کسی کو اسباب میں محال لگتا اور

موقع چوں دھما نہ رہا۔
(عثمانؓ جنگ بدر سے غیر حاضر تھے) اس کی

وجہ یہ ہے کہ جناب عثمانؓ کی بیوی رقیہؓ جناب
رسول کریم صلعم کی صاحبزادی علیل تھیں۔ خود جناب

رسول خداؐ نے ان کو اجازت دی کہ تم خود مدینہ
میں رہ کر بیمار کی تیمارداری کرو۔ اور تم کو قواب انہیں

لوگوں کا ملے گا۔ جو جنگ بدر میں شریک ہوئے۔
اور حصہ بھی انھیں لوگوں کے برابر ملے گا۔ اب کہو

اس الزام میں حضرت عثمانؓ سے بری ہو گئے یا نہیں
اور جیسا کہ جنگ تبوک میں حضرت علیؓ بشیر خدا جناب

رسول خدا صلعم کے حکم سے آپ کے اہل و عیال کی
نگہانی کے لیے رہ گئے تھے اور بطائی میں شریک

نہیں ہوئے تھے۔ اسی طرح جناب عثمانؓ کا جنگ بدر
سے غیر حاضر ہونا ہے۔ تو کوئی فرق نہیں۔ جناب علیؓ

مرتضیٰؓ پر اور جناب عثمانؓ پر کوئی الزام صحیح نہیں
جناب عثمانؓ بہت رضوانہ میں بھی حاضر تھے

اس کا سبب سنو! کہ جناب عثمانؓ کی طرح کسی
دوسرے صحابی کے بھی اہل کنبہ یا عزیز رشتہ دار کو معذور

ہفت روزہ

”خدام الدین“

میری نظر میں

(از جناب میاں نور حسین صاحب کوئٹہ کوہک کراچی)

کا حصہ تھا۔ مگر اب دوسرا افتتاح اسناد بھی اس سے مستفیض ہو سکتے ہیں۔

تقریب کو پڑھتے ہوئے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس اب تو انشاء اللہ سب روحانی امراض کا علاج ہو کر ہی رہے گا اور دل میں ایک حبذا بہ پیدا ہوتا ہے کہ کاش اس وقت ہم بھی حلقہ خشک میں بیٹھے ہوں۔ اور حضرت مولانا صاحب کی زبان فیض رسالت سے ان الفاظ کا ادا ہونا سنیں۔ کیونکہ اوراق دیکھنے اور صاحب حال کی زبان سے سننے میں جو فرق ہے وہ عورت و وحی حضرات جانتے ہیں جو ایسے بزرگوں کی صحبت میں بیٹھ کر ان کی سادہ لیکن چرمعنی گفتگو اکثر و بیشتر سن چکے ہیں جنہیں روحانی معالج ہونے کا ثبوت حاصل ہے۔

ثانیاً ”حکایات الصالحین“ ایک ایسا عنوان ہے جو تقریباً تمام رسالجات کے مقابلے میں ایک انوکھا ہے۔ اکثر رسالوں میں کچھ لغو کہانیاں یا افسانے لکھے ہوتے ہیں جو کہ منظر عام پر لائے جانے کے بعد سوائے اس کے مصنف کی قوت تحریر و تقریر کا مظاہرہ کریں کوئی قابل ستائش خدمت انجام نہیں دے سکتے۔ اس کے برعکس حکایات الصالحین راہنمایان طریقت کے سچے واقعات کبھی اثر پذیر ہوتے بغیر نہیں رہ سکتے۔

کھڑا الحشا

اور لا دینیت کے ظلمت کردہ میں خدام الدین روشنی کا منار ہے اس کی اشاعت کی غرض و غایت تجارت نہیں بلکہ

قرآن اور سنت کی صحیح تعلیم کی آواز بلند کرنا ہے۔ اس کی توسیع اشاعت رضائے ایزدی کے حصول کی خاطر کرنا عین عبادت ہے (ادارہ)

سابقہ سفرنامہ مقامات مقدسہ بھی اپنی نوعیت کا واحد مضمون ہے۔ عموماً لوگ اپنے سفرنامے تحریر کرنے والے یورپ و امریکہ کے طویل سفر کو اپنے لیے باعث فخر جانتے ہیں اور اپنے مشاہدات بیانی کرنے میں سرور و کوشش کرتے ہیں جس سے ان کا سب سے بڑا مقصد اپنے انگلیش ٹریڈ یا زائر امریکہ (NEW WORLD) ہونے کا ثبوت فراہم کرنا اور دنیا میں وقار حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس خال عبدالحق خاں صاحب اپنے سفرنامے کے ساتھ ساتھ بہت حد تک تاریخی مواد کو کئی تاریخ خاص اسلامی تاریخ فراہم کر رہے ہیں۔ اور جن جن زیارت گاہوں پر جانے کا انہیں ثبوت حاصل ہو رہا ہے ناظرین کو بھی اگرچہ عجیب آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پر آسکتا نہیں کے بمقدار بقیمین دکھا اور بتلا تو نہیں سکتے۔ لیکن پھر بھی صحیح واقعات کی روشنی میں تقریباً زیارت کی حد تک ضرور پہنچا دیتے ہیں۔

خامساً بچوں کا صفحہ۔ اس چیز کا ضامن ہے کہ ان کا مستقبل شاندار بن سکے۔ حضرت اسماعیل اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے پیغمبر اور اولیائے کرام کے بچپن کے صحیح حالات مختصر اور عام فہم پیرائے میں بیان کرنا بچوں کے اخلاق کو یقیناً بہتر بنانا سکتا ہے۔

سادساً میں ان تمام حضرات کا تہ دل سے فکریہ ادا کرتا ہوں جو مختلف مضامین بھیج کر خدام الدین کی اشاعت میں مدد فرما رہے ہیں۔ اللہ جل شانہ انہیں استقامت بخشنے اور وہ اپنے اثر عامہ سے ہماری راہنمائی فرماتے رہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہی میں اللہ جل شانہ سے طلبی ہوں کہ وہ ہمیں صحیح مضمون میں دین کا خادم بنائے اور دمرہ خدام الدین میں شامل فرمائے۔

ساتھ ایک گزارش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں کہ قبول امداد ہے عز و شرف

کتابت و طباعت

اگرچہ بہت حد تک بہ نسبت سابقہ بہتر ہو چکی ہے۔ پھر بھی توجہ طلب ہے۔ دوسرے قرآن پاک یا احادیث نبوی ابھی تک بغیر اعراب کے طبع ہو رہی ہیں۔ حالانکہ ہمارے جیسے قلیل العلم ناظرین کو پڑھنے میں بہت دقت ہوتی ہے اور ان ہر دو کا غلط پڑھنا باعثِ وعید ہے

لہذا

اگر ہو سکے تو اس کی طرف بھی توجہ فرمائی جائے۔



انجن خدام الدین کی عملی سرگرمیوں کے پیش نظر انسان کے دل سے بے ساختہ دعا نکلتی ہے کہ اللہ جل و علا شانہ انجن کو اس کے عزائم صحیحہ میں سو فیصد کامیابی عطا فرمائے۔ آمین!

آج تک مجھے رسالہ ”خدام الدین“ کا بارہ سوال پرچہ موصول ہو چکا ہے۔ پہلا پرچہ جو مجھے ملا غائب نمبر چھ تھا۔ غالباً اس لیے کہ رہا ہوں کہ میرے پاس کوئی پرچہ اس وقت موجود نہیں ہے۔ ادھر ختم کیا اور شائقین حضرات لے جاتے ہیں۔ اور میں بھی یہ سوچتے ہوئے کہ دوسروں کے فوائد میں کہیں بخل نہ ہو جائے کبھی واپسی کا مطالبہ نہیں کرتا نہ معلوم کتنے آدمی اس کو پڑھ کر اس سے فیض یاب ہو رہے ہیں اور چند ایک نے چہرہ بھیج کر جاری کروانے کے بھی وعدے فرمائے ہیں۔

کیوں نہ ہو رسالہ صفحہ اول بلکہ سرورق بھی اس میں شامل کرنا چاہئے۔ آخری صفحہ بلکہ آخری سطور و حروف تک منبع رشد و ہدایت ہے۔

سب سے پیشتر حضرت مولانا احمد علی صاحب مدظلہ العالی کی دینی خدمات کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن ان کے ان محاسن کو جن پر ابھی تک پردہ اٹھا ہوا تھا اجاگر کرنے میں اس اشاعت کا بڑا حصہ ہے۔ خطبہ جمعہ جو پہلے چند سو حضرات تک محدود تھا اب وسیع و عریض ملک کے کونے کونے میں دستیاب ہو سکتا ہے۔ حضرت مولانا کے ارشادات گرامی وقت کی ضرورت کے عین مطابق ہوتے ہیں۔

ثانیاً میری سب سے پسندیدہ چیز معاس دکن ہے۔ جہاں تک حضرت مولانا صاحب کے علم کا تعلق ہے یہ چیز اعظم من الشمس ہے۔ لیکن یہ ایک خصوصی وصفت یعنی روحانی معالج ہونا اولیائے کرام کے اوصاف حمیدہ میں سے ہے۔ اولیاء کرام کا وہ طبقہ ہے جنہیں میں عالم باعمل یا صاحب حال سمجھتا ہوں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت مولانا صاحب کی اس تقریر سے فیض یاب ہونا صرف لاہور اور وہ بھی قریب کے عقیدتمندوں

بقیہ سرمایہ داری - شراکت

کی ملک نہ ٹھہرایا جائے۔ یہ تمام چیزیں اپنے مقام پر مضمون میں مرکوز ہوں گی۔

سرمایہ داری کے سلسلہ میں ایک چیز سمجھ لینا ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک تو سرمایہ داری یعنی دولت حاصل کرنا۔ اسلام نے سرمایہ داری پر پابندی عاید کرنے سے پہلے ذریعہ سرمایہ داری پر کنٹرول کیا ہے تاکہ ایسی صورت ہی پیدا نہ ہو۔ جس سے غلط سرمایہ داری ہو سکے۔

ہر چیز خدا تعالیٰ کی ملکیت ہے

بنیادی طور پر یہ عقیدہ پیش کیا ہے کہ "خدا و مہی" جس نے زمین کی ہر چیز مقرر کی ہے پیدائشی دسورۃ بقرا (۲۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مالک حقیقی تو محض اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان صرف ایک خادم کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کی تحویل میں آقا کا مال ہے۔

دوسرے یہ کہ چونکہ مالک صرف وہ ہے۔ لہذا ہر انسان بحیثیت ایک انسان ہونے کے ملک خداوندی میں برابر کا شریک ہے۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کے حقوق و ملکیت کا بہت پاسدار ہے۔ اور کم از کم چھ مقامات پر حکم دیا گیا ہے کہ "خرچ کہ جو کچھ تم نے دیا ہے۔" اللہ کی تمام دولت انسانیت کا مجموعہ سرمایہ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام اشتراکیت کا اس بارے میں ہم فوہ ہے بلکہ یہاں مساوات اور برابر کے حق کے معنی برآمد ہوتے ہیں۔ اور شخصی ملکیت کا تصور موجود ہے۔ صرف ضرورت اس امر کی ہے کہ اللہ کی دولت اور وسائل زیادہ سے زیادہ تعداد انسانوں کے لیے مفید ہوں۔ اس اصول کو اس مثال سے واضح کیا جاسکتا ہے۔ کہ جب ماہرین مکہ سے مدینہ گئے۔ تو مدینہ والوں نے نہ صرف انہیں اپنے مال و متاع بلکہ زوجیت میں بوجہ طلاق برابر کا شریک ٹھہرایا۔ اس مثال سے اسلام نے جو الٹائی کی دی ہوئی دولت کو بنی نوع انسان کی ہیوی کے لئے خرچ کرنے کا اصول بتایا ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں اگرچہ ذاتی ملکیت موجود ہے لیکن مسلمانوں کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ راہِ خدا میں اپنے جائیداد کی بھلائی کے لئے خرچ کریں۔ پھر اسلام نے بتایا ہے کہ اگر تمہیں دولت دی گئی ہو تو فیقر اور محتاج کو بھی دو (سورۃ الزراعت) دولت کی تقسیم حکماً ضروری قرار دی گئی۔

لے ایمان والو "خرچ کرو جو کچھ کہ تم نے تم کو دیا ہے۔"

(سورۃ بقرہ - آیت ۲۷۵)

(باقی آئندہ)

گندہ گھوں میں اٹھری ہوئی ہے، دنیا کی ساری برائیاں ان میں موجود ہوتی ہیں۔ اور زبان کے سوالن کا سب کچھ گندہ ہوتا ہے۔

بقیہ مجلس ذکر

(۱۷ سے آگے)

محسوس ہوتے ہیں لیکن وہ اپنی ذرا سی لغزش کو بھی ہمیشہ یاد رکھتے ہیں اگرچہ اللہ کی طرف سے اُس کی معافی کا بھی اعلان ہو چکا ہو۔

آدم علیہ السلام اور حوا کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ کہ لا تقرباھذین الشجرۃ فیکونکم من الطغیین آدم سے لغزش ہوئی۔ اور انہوں نے اس درخت کو کھا لیا۔ اس کے بعد انہوں نے

اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے معافی کے الفاظ خود ہی القاء فرمائے اور معافی کا اعلان بھی فرما دیا۔ لیکن آدم علیہ السلام قیامت کے دن بھی اس غلطی کو یاد کر کے مخلوق خدا کی یہ درخواست رد فرما دیں گے۔ کہ بارگاہ الہی میں جا کر عرض کریں کہ حساب کتاب شروع کیا جائے

آخر میں میں آپ سب کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ گناہوں کا ایک بورڈ بنا لیجئے۔ میں نے بھی بنایا ہوا ہے۔ جو گناہ بھی ہو۔ اس پر لکھ لیا جائے۔ اس سے ہم اپنے نفس کو ڈانٹ سکیں گے۔ کہ تو یہ ہے۔ اگر یہ تیرے گناہ لوگوں کو معلوم ہو جائیں۔ تو کوئی تیرے

منہ پر تھوکتا بھی پسند نہ کرے گا۔ مرض کبر سے نجات پانا ضروری ہے۔ کسی شاعر نے مرض کبر میں مبتلا اور نجات پانے والے کے متعلق یوں اظہار خیال کیا ہے ع

نہ تھی حال کی جب کہ اپنے خیر نظر آتے تھے سب عیب نہ بڑی حال پر جب کہ اپنے نظر کسی کا کوئی عیب بھی نہ

کافر کو ہم اس سے مبغوض سمجھیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اُسے مبغوض کہتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی ہم اُس کے ظاہر پر نظر رکھیں گے۔ تاکہ اپنے اندر کبر پیدا نہ ہو۔ یہ ایک سبق ہے۔ اگر آپ

اس کو پکائیں گے۔ تو انشا اللہ نجات ہو جائے گی

اس کا دم ٹھک گیا، پھر اس کی لاش کو شہر کے دروازے پر لٹکا دیا، تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اور وہ اپنے ضعیف ماتحتوں کو ظلم نہ رکھنے اور بیدار نہ بنائیں جیسے کہ جرات نہ کر سکیں۔

لے کتے ہیں عدل و مساوات اور عوام اور غریب و

بے کس کا درد اس قدر ہیں جو تہذیب و تمدن اور جمہوریت کا دور کیا جاتا ہے اگر کسی گورنر سے ظلم کا ارتکاب ہو جائے تو اوپر سے نیچے تک سائے لوگ چاہیں گے، اس پر پردہ پڑ جائے، اور گورنر صاحب کا قصور ثابت نہ ہو بلکہ غریب ملازم اور نوکر ہی کو جرم ثابت کی جائے، چنانچہ اُسے دن مظالم ہوتے رہتے ہیں اور حکام بالا کے سروں پر چوٹی تک نہیں ٹپکتی۔

اسی سلطان بلعین کا ایک اور واقعہ سننے کے لائق ہے۔ ایک ہیبت خاں حاکم اور دھڑے لکٹھن کو ناجائز طور پر قتل کر، مقتول کی بیوی نے بادشاہ سے فریاد کی، بادشاہ نے ہیبت خاں کو پانسو روپے لگائے اور مقتول کی بیوی سے

کہا، اگر کچھ شک ہے تو اعلانِ کتاب تیرا غلام ہے چاہے اس کو جان سے مار ڈالے اور چھپے زندہ رہنے دے ہیبت خاں نے بہت سے لوگوں کو موت ساجت کر کے اپنے سفارشی بنایا، اور یہی ہزار روپے دے کر اس صورت دستاویز لکھا کہ اس کی فلاحی سے آزادی حاصل کی۔

اگر موجودہ دور میں اسی طرح کا انصاف ہونے لگے اور جس طرح چھوٹی کج مردم پر سزا دی جاتی ہے، بڑے لوگوں کو بھی سزائیں دی جائیں تو پوری دنیا میں سکون و اطمینان ہو جائے اور کمزور کم کا زور آن کی آن میں گھٹ جائے مگر میرت یہ ہے کہ بڑے لوگ اپنی بے ہودگیوں کو بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ کبریت جماعت کی ترقی بند ہو جائے یہ کیسے ممکن ہے۔

سلطان علاؤ الدین کے متعلق مورخوں کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حبیب وہ وہی پہنچا تو

"سچے پہلا کام یہی کہ شراب خوری سے توبہ کر کے مادی کرادی کہ آئندہ کوئی شخص شراب پیتا نہ کرے چنانچہ

اس نے اپنی حدود و حکومت سے نہایت کم مائی کے ساتھ شراب خوری کا نام دشن مٹوایا، خلیفہ دین محمد قائم کیا۔

کسی کی مجال نہ تھی۔ جو کشتکار سے ایک ستر یا ایک دانہ زیادہ وصول کرے۔ رشوت قضا موت و قفس ہو گئی جھوٹ بٹنے کی سخت سزا مقرر کی جس کا نتیجہ ہوا، کہ اس کی حدود و حکومت سے

کذاب و دروغ کا نام دشن مٹ گیا۔۔۔۔۔ ملک میں ضروریات زندگی کی اس قدر مادی ہو گئی کہ گرم ساڑھے سات چھین کے ایک من آتے تھے۔ جیٹن تانبے کا کپڑا ایک روپہ یا دو روپہ جیٹن سمجھتے تھے یعنی فی روپہ پونے

چھ من گندم آتے تھے۔

واقعہ یہی ہے کہ سلطان اور حکام یا لادست ہوں تو پورا ملک بھر جائے، اب تو بڑے لوگ سارا عیب غریبوں کا ہی تاتے ہیں اپنے عیب پر قطعاً نظر نہیں کرتے، اپنے کو سزاوار اور پاکیزہ سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کی پچاس روپہ ندگی

بقدر خطیبہ (ملا سے آگے)

جب اند ایمان نہ ہو۔ تو اس شخص کو اسلام بھی
بارگاہ الہی میں منظور نہیں ہوگا۔ ایسے لوگوں کو رسول اللہ
علیہ وسلم کی شفاعت بھی نصیب نہیں ہوگی اور نہ
ہی انہیں دوزخ سے نجات ہوگی۔ کیونکہ شفاعت
کے لیے ایمان شرط ہے۔

شرعیات نہیں رواج

و یہاں تک کہ زمیندار اور شہری صاحب جائداد لوگوں میں کئی
خاندان ایسے پائے جاتے ہیں جو تقسیم جائداد کے معاملہ
میں صاف طور پر کہتے ہیں کہ ہم شریعت پر عمل نہیں کوئی
رواج پر عمل کریں گے۔ حالانکہ قرآن مجید میں (جو
شریعت کا سنگ بنیاد ہے) تقریباً ڈیڑھ صفحہ قانون
میراث کا صورتہ نساء کے ابتدائے ہی میں مذکور ہے
آپ کو معلوم ہو گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
گوتیا سے روپوش ہونے کے بعد بعض قبائل نے نساء
قرآن مجید میں سے فقط ایک فقرے (أَحْوَا الزَّكَاةُ)
زکوٰۃ (دع) کا انکار کیا تھا۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں مرتد اور واجب القتل
قرار دیا تھا۔ قرآن مجید کے ڈیڑھ صفحہ کا انکار کرنے
والے ایمان داری سے فیصلہ کریں۔ آج اگر ابو بکر صدیق
رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے۔ تو ان کے حق میں کیا فیصلہ
فرماتے۔

حضرت عمرؓ کا فیصلہ

ایک یہودی اور ایک منافق میں کوئی جھگڑا تھا۔ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں فیصلہ کے لیے گئے یہودی چونکہ حق بجانب تھا۔ اس لیے آپ نے اس کے حق میں فیصلہ فرمایا۔ منافق کے دل میں خیال آیا۔ کہ یہودی کے مقابلہ میں میری کوئی رعایت نہیں کی گئی اس لیے اس نے یہودی سے کہا۔ کہ چلو۔ حضرت عمر سے اس فیصلہ پر نظر ثانی کر آئیں۔ یہودی نے کہا۔ بہت اچھا۔ یہودی کو یقین تھا۔ کہ اس دربار گہر بار میں جو فیصلہ بھی ہو گا۔ وہ بالکل ٹھیک ہو گا۔ حضرت عمرؓ کے پاس جب پہنچے تو یہودی نے سارا قصہ سنایا۔ اور عرض کی۔ کہ آپ کے ہاں اس فیصلہ پر نظر ثانی کرانے کے لیے آئے ہیں۔ یہودی سے سارا قصہ سننے کے بعد مسلمان (منافق) سے فرمایا۔ کیا یہ واقعہ صحیح ہے جو اس نے بیان کیا ہے مسلمان نے کہا جی ہاں ایسا ہی ہے، آپ نے فرمایا۔ ٹھیک۔ میں ابھی فیصلہ کر دیتا ہوں۔ چنانچہ اندر تشریف لے گئے اور تھکے اٹھا کر لائے اور آتے ہی اس کا سر قلم کر دیا۔ اور فرمایا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نہ مانے۔ اس کا فیصلہ یہ ہے خیال فرمائیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے انکار کرنے

والا واجب القتل ہے تو اللہ تعالیٰ کا میراث کی تقسیم کے متعلق فیصلہ نہ ماننے والے کا فیصلہ کیا ہونا چاہیے
مناعتیہ دایا اولی الایصار۔

دو نول بیست و نیک

اگر ایک شخص اللہ تعالیٰ کا فرمان ماننے سے انکار کرتا ہے۔ جیسا کہ شرعیت کا انکار کرنے والوں اور رواج پر عمل کرنے والوں کا ذکر پہلے کر چکا ہوں۔ اور دوسرا وہ شخص ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کے قانون کو ماننا ہے اور زبان سے بھی اس کے ماننے کا اقرار کرتا ہے۔ مگر ہاں نہیں کرتا ہے۔ اور عمل درآمد نہیں کرتا۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ پہلے شخص کے لیے شفاعت ہے نہ نجات ہے۔ اور دوسرے شخص کے لیے شفاعت بھی ہے اور نجات بھی۔ شرعیت کی اصطلاح میں یہاں کافر ہے اور دوسرا فاسق ہے۔ فاسق کے لیے شفاعت بھی ہے اور نجات بھی۔

میرا فرض اور آپ کا فرض

قوله تعالى: - قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ
فَإِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَمْرِي وَأَطِيعُوا
أَمْرَ الرَّسُولِ ۖ وَأَطِيعُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ
الْعِقَابِ ۖ

(سورۃ النور رکوع ۱۱ چارہ عشا)

ترجمہ۔ کہو۔ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری
کو۔ پھر اگر موہنہ پھیر دے تو پیغمبر پر قہر می ہے جس
کا وہ ختمہ دار ہے۔ امد تم پر وہ ہے۔ جو تمہارے
لیے لازم کیا گیا ہے اور اگر اس کی فرمانبرداری کر دے
تو ہدایت پاؤ گے۔ اور رسول کے ذمہ صرف صاف
طور پر پہنچا دینا ہے۔

مجلس

یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع ہی سے ہدایت مل سکتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کی وہی مخلوق تاکہ پیغمبر نابی ہے اور مخلوق خدا کے ذمہ یہ ہے کہ وہ سمجھنے کے بعد اس پر عمل کریں۔

بلغت قرآن کا

مبلغ قرآن مجید کے ذمہ فقط اتنی چیز ہے کہ وہ مخلوق خدا تک کلمہ حق پہنچا دے۔ اس کے بعد مخلوق خدا کے ذمہ یہ ہے کہ اس پر عمل کریں۔ عمل کریں گے تو عذاب الہی سے بچ جائیں گے۔ ورنہ قیامت کے دن یہ تو نہیں کہیں گے۔ کہ اے اللہ ہمارے پاس تیرا کوئی بندہ ڈرائے حالاً نہیں آیا تھا۔

اس کا ثبوت

قوله تعالى رُكُّنًا أَيْقِيْنِيهَا فَتُجِ سَأَلَهُمْ

خَزَنَتَهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي هَذِهِ السَّعِيرَةِ فَاعْتَرَيْنَاهَا رَبِّنَا لَبِئْسَ عَصَافًا (سورة الملوك رکوع ۱۰ تا ۱۶)

ترجمہ: جب اس میں ایک گروہ ڈالا جائے گا۔
و ان سے دوزخ کے راز و خد پوچھیں گے۔ کیا کہنا
پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ وہ کہیں گے
ہاں! بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا۔ ہم
نے جھٹلایا۔ اور کہہ دیا۔ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں
کیا۔ تم خود بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔ اور کہیں گے
اگر ہم نے سنایا سمجھا ہوتا۔ تو ہم دوزخیوں میں
نہ ہوتے۔ پھر وہ اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے
و دوزخیوں پر چٹکارے۔

اس کیفیت میں کیا موتہ ہو چکا

ہرادران اسلام - مذکور الصدر آیتوں کے ثبوت
 میں ایسا موثرہ نہ سمجھو۔ کیا آجکل بے دینیوں کا ایک ایسا
 طبقہ موجود نہیں ہے جو علماء دین کی بے ضرر و
 تہین کرتا ہے۔ وہ ان کے پیغام سے فائدہ نہیں اٹھاتا
 بلکہ آٹا انھیں بڑے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ اور
 ان کی بے عزتی کرنا اپنا فرض خیال کرتا ہے۔ اللہ
 تعالیٰ انھیں ہدایت عطا فرمائے کہ میں ایسا نہ ہو
 کہ آج جن کی تہذیب و تہ میں کرتے ہیں۔ قیامت
 کے دن انھیں کی تصدیق کرے۔ کہ واقعی نہ سچے
 تھے۔ اور ہم جھوٹے تھے۔
 فاعتبہا یا ادلی الالبصار وما علینا
 الا البلاغ -

مرطبات عامتہ انجمن خدام الدین

پیشکش سالکی کاسٹ مجلد

یا نغیر تفاسیر کا مجموعہ مجلد

خلاصة الشكاوة مجلد ٢٠ - ١

خطبات از حضرت مولانا احمد علی صاحب

خطبات مختصر اول جلد ۱-۸-۰

11 10 59 11

[illegible]

کے

2000

دفتر انجمن حسد ام الدین در سازه شیرانواله
لاهور

حمد — باری تعالیٰ

از جناب اسٹرل ال دین صاحب دستگیر
شاہ کوٹ - ضلع شیخوپورہ

تو خالق زماں ہے تو مالک جہاں ہے
ہر شے میں تو نہاں ہے ہر شے سے تو عیاں ہے
پتوں میں تیری قدرت - دروں میں تیری حکمت
صحرا و کشتاں میں گویا ترابریاں ہے
کوہ و کمر میں ندیاں مدت سراہیں تیری
مجھ شتا فلک پر وہ جوئے کھکشاں ہے
اس کے بغیر کیا ہے تفسیر لامکاں کی
ٹوٹے ہوئے دلوں کو پایا ترابریاں ہے
کتنے کور باطن فلسفی - عزیزو
اخگر سے پوچھتا ہے تیرا خدا کہاں ہے

تو اللہ میاں ضرور ناراض ہوں گے اور
اللہ میاں کو ناراض کرنا سب سے بُرا
کام ہے۔

دوسرا سبق یہ ہے کہ دوسرے کی
حق تلفی نہ کی جائے۔ اور جان بوجھ کر
کسی کے مال پر ناجائز قبضہ نہ کیا جائے
کیونکہ اس سے بھی اللہ میاں نہ صرف
ناراض ہوتے ہیں بلکہ اپنی یاد کا
شوق بھی چھین لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
ناراض ہو جائیں تو انسان کی عقل بھی مارٹی جاتی
ہے۔ اس طرح اس کی دنیا اور آخرت دونوں
برباد ہو جاتی ہیں یہ

پتوں کا صفحہ

حضرت ابو بن ادھم

(افراد میں)

حلال پیسوں سے حلال مال خریدے؟ اس
طریقہ سے جو انھیں وصول ہوتا اس سے
بسر اوقات کرتے۔ یہ عابد و زاہد تھے۔
اور اللہ کی یاد میں شاغل رکھتے تھے۔
ایک دفعہ انہوں نے کھجوریں خریدیں
غلطی سے دو کھجوریں دکان دار کی زائد
ان کے پاس آ گئیں۔ ان کے کھانے کے
بعد انھیں عبادت کا شوق جاتا رہا۔ یہ
بہت پریشان تھے کہ یا الہی کیا ماجرا
ہے؟ مجھ سے کیا غلطی ہوئی کہ میرا
دل عبادت سے اُچھاٹ ہو گیا ہے۔ آخر
اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ بات سمجھائی کہ
جو دو کھجوریں ناجائز تم نے کھائی تھیں
یہ سب اس کی وجہ سے انہوں نے
ناجائز مال کھانے سے توبہ کی اور پھر
اُن کے دل میں یاد الہی کا شوق پیدا
ہو گیا۔

ابو بن ادھم کی زندگی سے دو سبق
ملتے ہیں۔ ایک تو یہ :-

اللہ کے بندوں سے محبت کرنا کتنا
بڑا نیک کام ہے۔ جو اس کے بندوں سے
محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود بخود
اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔
محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپس
میں نہایت خوش اخلاقی سے ملیں ایک
دوسرے کی جہاں تک ہو سکیں مدد کریں
اگر کوئی تم میں سے خدا نخواستہ غریب
پچھ ہے تو اس کو بھی بھائی اور عزیز
سمجھا جائے۔ نہ کہ اس کی غریبی کا مذاق
اُڑایا جائے۔ اور نہ اس سے نفرت کی
جائے۔ کیونکہ وہ بھی تو آخر اللہ میاں ہی کا
بندہ ہے نا! جب اللہ کے بندوں کو شتاء

پیارے بچے آج نہیں ہم ایک بادشاہ
حضرت ابو بن ادھم کا قصہ سناتے ہیں۔ کہتے
ہیں ایک دفعہ رات کو ایک فرشتہ حضرت
ابو بن ادھم کے پاس آیا۔ اس فرشتہ کے
ہاتھ میں ایک ورق تھا۔ ابو بن ادھم نے
اس سے پوچھا اس پر کیا لکھا ہے؟ فرشتہ
نے جواب دیا اُن لوگوں کے نام ہیں۔
جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں پھر
ابو بن ادھم نے دریافت کیا۔ کیا ان
میں میرا بھی نام ہے؟ فرشتہ نے
جواب دیا۔ نہیں۔ ابو بن ادھم کہنے
لگے تو میرا نام اس ورق پر سب
سے نیچے لکھ لو جو اگرچہ اللہ تعالیٰ
سے تو نہیں لیکن اس کے بندوں سے
محبت کرتے ہیں۔ فرشتہ نے ہاں کی،
اور غائب ہو گیا۔ اگلی رات پھر وہی
فرشتہ ایک ورق لیے ہوئے حضرت
ابو بن ادھم کے پاس آیا۔ انہوں نے
پوچھا یہ کن لوگوں کی فہرست ہے کیا
یہ اُن لوگوں کی ہے جو اللہ کے بندوں
سے محبت کرتے ہیں؟ کیا میرا نام
ان میں موجود ہے؟ فرشتہ نے جواب
دیا کہ یہ اُن لوگوں کی فہرست ہے جن
سے اللہ محبت کرتا ہے۔ یہ کہہ کر فرشتہ
نے وہ ورق دکھایا۔ اور اس میں ان کا
نام موجود تھا۔

یہی ابو بن ادھم تھے جنہوں نے دنیا
کے عیش و آرام کو ترک کر کے ایک
پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لیے عام
آدمی کی زندگی اختیار کر لی۔ یہ جنگل
سے لکڑیاں چن کر لاتے اور شہر میں
آکر آواز لگاتے۔ کہ کوئی ہے جو

